وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے

جلد 7	شمارہ 04	جمادی الاوّل 1434ھ	اپریل 2013ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون و نگران طباعت : مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین و گرافکس : سعد حسن خان

قانونی مشاورت :

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندرونِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس فوارہ چوک جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ چیز ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ القیامۃ	3
2	بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	عوامی حاکمیت یا اللہ کی حاکمیت	احمد بلال	10
5	سقوط خلافت کے بعد احیائے خلافت کی کوششیں	انجینئر مختار فاروقی	23
6	یورپ پر اسلام کے احسانات، سلسلہ وار 4	انجینئر مختار فاروقی	43
7	ولادتِ نبویہ علیہا الصلوٰۃ والسلام، سیف بن ذی یزن کی شہادت	مولانا ظفر احمد عثمانی	56
8	مدیر کے نام		60
9	تبصرہ و تعارفِ کتب		62

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

﴿سورة القيامة آيات 20-40﴾

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ O وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ O

مگر (لوگو) تم دنیا کو محبوب رکھتے ہو اور آخرت کو نظر انداز کر دیتے ہو

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ O اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ O

اس دن کتنے چہرے تر و تازہ ہوں گے،

اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہوں گے

وَ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ O

اور کتنے چہرے اس دن اُداس ہوں گے

تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ O

خیال کریں گے کہ ان پر مصیبت واقع ہونے کو ہے

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ O وَ قِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ O

دیکھو! جب جان پہنچے گی گلے تک اور لوگ کہنے لگیں

(اس وقت) کون ہے جھاڑ پھونک کرنے والا

وَّ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ O وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ O

اور وہ سمجھ جائے کہ اب جدائی کا وقت آ گیا ہے اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے

اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ O

اس دن تیرے ربّ کی طرف چلنا ہے

فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰی O

پھر اس (عاقبت نااندیش) نے نہ تو (کلام اللہ کی) تصدیق کی نہ نماز پڑھی

وَلٰکِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی O

بلکہ جھٹلایا اور منہ پھیر لیا

ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓی اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰی O

اور پھر اپنے گھر والوں کے پاس اکڑتا ہوا چل دیا

اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی O ثُمَّ اَوْلٰی لَكَ فَاَوْلٰی O

افسوس ہے تجھ پر افسوس ہے پھر افسوس ہے تجھ پر افسوس ہے

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی O

کیا انسان خیال کرتا ہے کہ یونہی بے قید چھوڑ دیا جائے گا؟

اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی O

کیا وہ منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو (رحم میں) ڈالی جاتی ہے؟

ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰی O

پھر لوتھڑا ہوا پھر (اللہ نے) اس کو بنایا پھر (اس کے اعضا کو) درست کیا

فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰی O

پھر اس کی دو قسمیں بنائیں (ایک) مرد اور (ایک) عورت کیا

اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ یُّحْیِ َ الْمَوْتٰی O

کیا اس کو اس بات پر قدرت نہیں کہ وہ مُردوں کو زندہ کر دے؟

صدق اللّٰہ العظیم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں۔ آپ ﷺ کے اقوال مبارکہ اور اعمال طیبہ انسانیت کے لیے ہدایت اور رحمت ہیں اور آپ کی سنت کی اتباع ہی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کا واحد ذریعہ ہے۔ آپ ﷺ سے محبت رکھنے والے ہر شخص کو چاہئے کہ وہ آپ ﷺ کے ارشادات کو پڑھے، سمجھے اور ان پر عمل کرے اور ان کو دوسروں تک پہنچائے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس کا حکم بھی دیا ہے نیز ایسے شخص کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے دُعا بھی فرمائی ہے کہ

"نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيْثًا، فَحَفِظَهُ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ"

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے ہماری حدیث سنی پھر اسے یاد رکھا اور دوسرے تک پہنچایا''

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ''، جس کا مفہوم ہے کہ میری جو حدیث تم تک پہنچے تم اسے دوسروں تک بھی پہنچاؤ۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ حَفِظَ عَلٰى أُمَّتِي أَرْبَعِينَ حَدِيثًا مِنْ أَمْرِ دِيْنِهٖ بَعَثَهُ اللّٰهُ فَقِيهًا، وَ كُنْتُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَافِعًا وَّ شَهِيدًا

(البیھقی فی شعب الایمان، عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ)

''جس شخص نے میری امت کے لیے اس کے دین سے متعلق چالیس احادیث محفوظ رکھیں اور انھیں ان تک پہنچایا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُسے فقیہ بنا کر کھڑا کرے گا اور میں اُس کی شفاعت کروں گا اور گواہی دوں گا۔''

آپ ﷺ کے ان فرامین مبارکہ پر عمل کے جذبے سے قارئین کے لیے حکمت بالغہ میں آئندہ ماہ سے مختلف موضوعات پر مختصر احادیث کی سلسلہ وار اشاعت کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں اس کی توفیق ارزانی فرمائے اور اس سلسلہ کو شرفِ قبول بخشے۔ آمین

کاوش: مفتی عطاء الرحمٰن ↔ عبداللہ اسماعیل

بروقت اور پُرامن الیکشن 2013ء
شبہات وخدشات اور توقعات

انجینئر مختار فاروقی

''بغل میں چھری منہ میں رام رام'' اُردو زبان کا محاورہ ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی شخص کی زبان پر اُصول پرستی، حق پرستی، اخلاق دوستی کے الفاظ ہوں، متانت وسنجیدگی ٹپک رہی ہو لہجہ اور بول ایسے ہوں کہ سننے والا بات کہنے والے پر فدا ہوجائے مگر بات کہنے والے کے سارے عملی اقدامات حتیٰ کہ BODY LANGUAGE بھی زبان سے ادا کیے گئے جملوں کے بالکل برعکس ہو۔ زبان سے کسی کے ساتھ دوستی اور وفاداری کا یقین دلایا جارہا ہو اور دوسری طرف پس پردہ اس کے قتل کے عملی اقدامات بھی آگے بڑھ رہے ہوں۔

اس محاورے کے مصداق آج کل پاکستان کے معاشرے میں دائیں بائیں ذرا سی توجہ سے مل جائیں گے۔ کسی معاشرے میں ایسے افراد آٹے میں نمک کے برابر ہوں تو قابل درگزر ہوسکتا ہے کہ اس مزاج کے لوگ بھی انسانوں میں موجود ہیں اور ایک منفی رویہ سہی بہرحال انسانوں میں موجود ہے اور قابل اصلاح ہے۔ مگر یہی تعداد 50% ہوجائے تو خوفناک صورتِ حال ہوجائے گی اور اگر اس سے بھی بڑھ جائے تو المیہ ہے۔ یہ صورت صرف عوام اور غیر مؤثر لوگوں میں ہو یا معاشرے کے گروپس میں یکساں تناسب سے ہو تو سمجھا جائے گا کہ برائی سارے معاشرے میں سرایت کرچکی ہے ـــــ مگر مقتدر طبقات میں یہ برائی زیادہ ہوجائے تو معاشرہ یقیناً کسی تباہی سے دوچار ہونے والا ہے۔

آج ـــــــ پاکستان کا معاشرہ اس ضمن میں آخری درجے کی صورتِ حال کا نقشہ پیش کررہا ہے۔عوام سے لے کر خواص تک سب الیکشن وقت پر ہونے کی گویا یقین دہانی ہی نہیں قسمیں کھا رہے ہیں۔تمام پارٹیاں علی الاعلان اس کا راگ الاپ رہی ہیں۔حزبِ اختلاف کے بیانات بھی ایسے ہیں اور حزبِ اقتدار کے بھی۔حکمران بھی بانگ وہل الیکشن وقت پر کرانے کا ارادہ ظاہر کررہے ہیں اور توقع کررہے ہیں۔امریکہ اور برطانیہ بھی اسی لہجے میں بیانات دے رہے ہیں۔وہ ظاہر کررہے ہیں کہ ان کا مفاد بھی (اور پاکستان کا مفاد بھی) بروقت الیکشن کے انعقاد میں مضمر ہے۔اس کے برعکس عملی اقدامات اور طرزِ عمل کو دیکھیں تو اندازہ ہوگا کہ 'کس کس کی بغل میں چھری' ہے۔

دین اسلام کی رو سے اس طرزِ عمل کو منافقت کہتے ہیں۔آج یہی طرزِ عمل اسلام سے دوری کی وجہ سے مسلمانوں کا بھی وطیرہ ہے یہی طرزِ عمل اب مسلمانوں کے نزدیک بھی 'چہرے کا غازہ'، سیاہ کرتوں کے لئے 'میک اپ'، ملک دشمن سرگرمیوں کے لئے MASK اور اسلام دشمن سرگرمیاں جاری رکھنے کے لئے 'اسلام پسندی' کا درجہ رکھتا ہے۔آج اس عمل کو سفارت کاری یا DIPLOMACY اور بقائے باہمی کا اُصول کہا جاتا ہے۔

دشمن ایسا طرزِ عمل اختیار کریں تو اُن سے یہی توقع ہوسکتی ہے مگر ملک کے حکمران، وفاداری کا حلف اُٹھانے والے، اسی ملک کا نمک کھانے والے اور اس ملک سے مفاد اُٹھانے والے بھی یہی رویہ اپنالیں تو ـــــــ یقیناً دال میں کچھ کالا ہے۔

متوقع الیکشن کے لئے گزشتہ دو ماہ کے اخبارات کے تراشے گواہ ہیں کہ بروقت ہوں گے اور ایک دن بھی مؤخر نہیں ہوں گے مگر عملاً صورتِ حال ایسی کیفیت کی طرف جارہی ہے کہ الیکشن کا انعقاد سازشوں اور ملکی اور غیر ملکی دخل اندازیوں کی بنا پر مشکوک ہوتا جارہا ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ کہنے کی حد تک زبان پر یہی 'کلمہ' جاری ہے کہ الیکشن بروقت ہوں گے۔مگر عالمی ایجنسیاں اور عالمی طاقتیں جو گزشتہ طویل عرصے سے ملک میں افراتفری پیدا کر کے مفاد حاصل کررہی تھیں وہ بھلا کب ایسا ہونا برداشت کرسکتی ہیں کہ الیکشن بروقت ہوں اور FAIR ہوں اور ملکی آئین کی دفعات 62,63 کے تحت ہوں۔پھر لٹیرے، ٹیکس نادہندگان،

جعلی سندوں والے، کرپشن میں ڈوبے ہوئے افراد کو بھی 'اُصولوں' اور 'ضابطوں' کے تحت الیکشن گوارا نہیں ہیں۔ عبوری حکومت کے دوران کوئی ایسا سیٹ اپ جو اعلیٰ عدلیہ کے حکم پر فوراً LETTER AND SPIRIT میں عمل درآمد کرے، وہ ان مقتدر طبقات کو کسی صورت قبول نہیں۔ الیکشن امن و امان سے ہو جائیں چاہے ہم ناکام ہو جائیں یہ 'کلمہ حق کتنے سیاستدانوں کی زبانوں پر جاری ہو سکتا ہے۔ اپنی مرضی کا SET-UP اور مرضی کے نتائج کے لئے بعض مؤثر طبقات کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہیں۔

ان حالات میں ہمارے وطن عزیز کے دانشور اور اہل علم حضرات کو صرف زبانی اور اخباری بیانات یا میڈیا پر گفتگو سے بڑھ کر بھرپور عملی اقدامات بھی کرنے چاہئیں اور در پردہ غیر مرئی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھنی چاہئے۔

اوپر درج تمام منفی عوامل کے علی الرغم ہمارے نزدیک 2007ء میں عزت مآب جسٹس افتخار محمد چوہدری کے سابق صدر مشرف کے سامنے سرنگوں ہونے سے انکار کے عمل سے ملک میں بہتری کا عمل شروع ہو چکا ہے اور ابلیسی قوتوں اور بدی کے خوگر تمام طبقات کی مسلسل طاقت آزمائی کے باوجود یہ عمل آگے بڑھ رہا ہے کبھی کبھی حالات دگرگوں ہوتے نظر آتے ہیں۔ تاہم توقع ہے کہ ملک خداداد پاکستان کے حالات میں آنے والے دنوں میں یقیناً بہتری آئے گی۔ شر کی قوتیں منتشر ہو جائیں گی، عدل وانصاف اور خیر کے علمبردار آگے بڑھ کر سرخرو ہوں گے۔ عوام کے لئے ملکی وسائل مختص ہوں گے اور اسلام کی طرف پیش قدمی کے اقدامات ہوں گے۔ ہمارا ملک گزشتہ کئی سالوں سے اسلام دشمن اور ملک دشمن قوتوں کے خوفناک دباؤ میں تھا اب ملک چلانے والے ہاتھ بدل گئے تو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید واثق ہے کہ اسلام دوست، پاکستان دوست اور عوام دوست جذبات پروان چڑھیں گے اور ابلیسی قوتیں پس پا ہوں گی۔

اس خطے میں انیسویں صدی میں برطانیہ عظمیٰ نے خراسان (افغانستان اور فاٹا اور شمالی پاکستان) کے باسیوں کے ہاتھوں شکست کھائی تھی پھر بیسویں صدی میں USSR نے اس علاقے پر چڑھائی کر دی جب برطانوی وزیر اعظم مارگریٹ تھیچر نے کوئی تیس سال پہلے روس کو اپنا

سیکھا ہوا سبق یاد دلایا تھا کہ

''ہم نے گزشتہ صدی میں اس علاقے میں ایک سبق سیکھا تھا (روس نے چڑھائی کر دی ہے) وہ بھی جلد ہی ایسا ہی سبق سیکھ لے گا''

پھر نیرنگیٔ قدرت دیکھئے کہ اکیسویں صدی میں امریکہ عالمی اتحاد نیٹو (NATO) کے ساتھ اسی علاقے پر چڑھ کر آ گیا اب وہ برطانیہ (صغریٰ) بھی اس کے ساتھ ہے اور گزشتہ ایک عشرہ کی معرکہ آرائی کے بعد یہ مقتدر قوت بھی شکست سے دوچار ہے خود برطانیہ اس شکست کی اندرونی گواہی دے رہا ہے۔ آنے والا وقت NATO کے لیے عبرت کا نشان بنے گا۔ ہمارے نزدیک وہ وقت قریب ہے کہ جب برطانیہ اور روس کی طرح امریکہ بھی اس علاقے میں شکست سے دوچار ہو کر نکل جائے گا اور اپنا سیکھا ہوا سبق دوسروں کو بتا رہا ہوگا۔

پاکستان میں حالات کی سنگینی بلاشک وشبہ ہماری داخلی صورت حال کی ابتری اور خارجی عالمی صلیبی جنگ کے مسلط کیے جانے کا براہ راست نتیجہ ہے۔ انہیں عالمی طاقتوں کی بے جا مداخلت ہی ہمارے داخلی خلفشار کی اصل وجہ ہے اور انہیں قوتوں کا علاقے سے نکل جانا ہی ہمارے لئے اُمید کی ایک کرن ہے۔ آنے والے دنوں میں ہمیں اسلام اور پاکستان کے حوالے سے بہت سی عزیز اُمیدیں وابستہ ہیں اللہ تعالیٰ ہی دراصل ہماری مدد کرنے والا ہے۔

وَ مَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہ

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں!
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے، مگر صاحب کتاب نہیں!

علامہ اقبال

اصطلاح کی بحث؛

عوامی حاکمیت یا اللہ کی حاکمیت

محمد احمد بلال

(ایم اے سیاسیات، P.U لاہور)

اس مضمون میں اس بات کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ پاکستان میں حقیقی تبدیلی کے SLOGAN کے طور پر عوامی حاکمیت (جس کا سنہرا اور ملفوف نام لبرل ڈیموکریسی یا روشن خیال جمہوریت ہے جسے عوام کو دھوکا دینے کے لیے صرف 'جمہوریت' کا لفظ بولتے ہیں) کی بجائے اللہ کی حاکمیت (جس کے لیے اسلامی جمہوریت یا نظامِ خلافت زیادہ عوامی الفاظ ہیں) کا تصور زیادہ پُرکشش ہے۔ پیشِ نظر ایسا کوئی دعوی کرنا نہیں کہ اس سلسلے میں آخری رائے آجائے۔ بلکہ اہلِ علم و دانش تک اپنی گزارشات پہنچانا ہے، کہ وہ اس پر سوچ بچار کریں۔ بعض جگہوں پر تفصیلی گفتگو کا مقصد اس مضمون کو عام افراد کے لئے مفید بنانا ہے۔ ناگزیر وجوہات کی بناء پر انگریزی الفاظ کا استعمال بارہا ہے۔ مشکل کی صورت میں پیشگی معذرت خواہ ہوں۔

عرفِ عام میں جمہوریت کی اصطلاح دراصل لبرل ڈیموکریسی یا روشن خیال جمہوریت اور روشن خیالی کے تصورات کو عام کرنے کے لیے مغرب نے رائج کیا ہے ورنہ خود مغرب میں سوشل ڈیموکریسی کی اصطلاح بھی ہے۔ مغرب کی اصطلاح میں جمہوریت یعنی لبرل ڈیموکریسی ایک پورا نظامِ زندگی ہے اور ایک LIFE STYLE ہے۔ LIBERAL DEMOCRACY کا صرف حکومتی نظام ہی نہیں بلکہ نظامِ اَقدار بھی ہے۔ یہ ایک عقیدہ بھی

ہے اور اس میں اپنے IDEALS بھی ہیں۔ غرضیکہ مغرب کی پھیلائی ہوئی جمہوریت کی اصطلاح آج ایک مکمل نظریۂ حیات ہے اور بلاشبہ یہ ایک SECULAR CONCEPT ہے۔ عوامی حاکمیت (POPULAR SOVEREIGNTY) کا تصوّر اس کی بنیاد ہے جو از روئے اسلام سیاسی سطح کا شرک ہے۔ ع حکمراں ہے اِک وہی، باقی بُتانِ آزری

اس ضمن میں پاکستان کا آئین ایک EXCEPTIONAL مثال ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم ڈیموکریسی کے ساتھ 'سوشل' کے لفظ کی طرح 'اسلامی' کا لفظ اضافہ کر کے اسے اسلامی جمہوریت کہتے ہیں۔ اس حوالے سے اہل علم کافی محنت سے بیان کر چکے ہیں خصوصاً سیّد مودودیؒ نے اس پہ بحث کی ہے۔ لہٰذا یہ مانتے ہوئے کہ تفصیلات کے اعتبار سے ''اسلامی جمہوریت'' (اللہ کی حاکمیت کے تصور کے ساتھ جمہوریت) اور ''نظامِ خلافت'' ایک ہی نظام کے دو مختلف نام ہیں مجھے صرف ان اصطلاحات کے حوالے سے بات کرنا ہے۔

ہمارا درخشاں ماضی یعنی خلافت راشدہ جس کو بعض حضرات ''1400 سال پرانا دور'' کہہ کر یہ IMPRESSION دیتے ہیں گویا یہ دنیا کی تخلیق سے بھی پہلے کا واقعہ ہو، حالانکہ انسانی تاریخ جاننے والے حضرات جانتے ہیں کہ یہ دورانیہ بہت زیادہ نہیں ہے۔ علامہ اقبال تو حضور ﷺ کی بعثت کو دورِ جدید کا آغاز قرار دیتے ہیں۔

> "Looking at the matter from this point of view, the Prophet of Islam seems to stand between the ancient and the modern world. In so far as the source of his revelation is concerned, he belongs to the ancient world; and in so far as the spirit of his revelation is concerned, he belongs to the moder world.(The Reconstruction of Religious Thought in Islam, p. 126)

ویسے بھی علم سیاسیات میں انسانی تاریخ سے رہنمائی لی جاتی ہے۔ بہرحال ہر آنے والے وقت کے اپنے تمدنی معیارات ہوتے ہیں۔ لہٰذا ترقی یافتہ ممالک کے حکومتی نظام کے TEMPLATES لینے میں بھی حرج نہیں۔ البتہ نبی اکرم ﷺ کے عطا کردہ نظام کی برکات کو دنیا پر واضح کرنے کے لئے بھی یہ ضروری ہوگا کہ اسلامی اُصولوں پر جو نظام قائم کیا جائے وہ FUNDAMENTALS

کے اعتبار سے تو لازمی طور پر، البتہ عرف عام یعنی اصطلاحات کے اعتبار سے بھی ORIGINAL SOURCE سے وابستہ ہو۔ کیونکہ جس اصطلاح میں ہم بات کرتے ہیں، اہل علم وفکر کی توجہ لازماً اس کی تاریخ کی طرف جاتی ہے۔ اور پھر اس پر مزید غور وفکر کے راستے کھلتے ہیں۔ جیسا کہ آج مغربی جمہوری ملک اپنے نظام کی تاریخ قدیم یونانی شہری ریاست ATHENS تک لے جاتے ہیں۔ جس سے اس نظام کو ایک اخلاقی SUPPORT ملتی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمدؒ اپنی کتاب ''خلافت کی حقیقت اور عصرِ حاضر میں اس کا نظام'' میں لکھتے ہیں (صفحہ ۱۰):

> ''جب جماعت اسلامی میں مولانا امین احسن اصلاحی کی شمولیت کے بعد ان کے قرآنی فکر کا دھارا بھی مولانا مودودی کے افکار کے دھارے میں شامل ہو گیا تو اس وقت اس کی تعبیر کے لئے خالص قرآنی اصطلاحات یعنی ''شہادت علی الناس'' ۔۔۔ ''فریضہء اقامت دین اور غلبہء دین حق'' کا استعمال عام ہو گیا۔
>
> چنانچہ جب خود میں نے ۱۹۵۷ء میں جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے کے بعد ۱۹۶۵ء میں اپنی ذاتی مساعی کا آغاز کیا تو انہی اصطلاحات کو نہ صرف اپنایا بلکہ اپنی بساط بھر مزید مدلل اور مبرہن بھی کیا۔ اور مزید برآں ''جہاد فی سبیل اللہ'' کے فرض عین ہونے پر قرآن وسنّت سے بھرپور استدلال قائم کیا اور ان کے مراحل و لوازم کے پورے نقشے کو بھی سیرت النبی ﷺ سے اخذ کر کے دکھایا..... تاہم یہ احساس ضرور رہا کہ ان ثقیل اصطلاحات سے پڑھا لکھا طبقہ تو قدرے قلیل محنت سے مانوس ہو بھی سکتا ہے، لیکن عوام الناس کے ذہن وقلب تک ان کے ذریعے رسائی ممکن نہیں ہے۔ میں اسی حیص بیص میں تھا کہ متذکرہ بالا حلقوں کے ذریعے ''خلافت'' کی اصطلاح کی جانب ذہن منتقل ہوا اور اس کے ساتھ اس حقیقت کی جانب بھی توجہ ہوئی کہ ''خلافتِ راشدہ'' کی تابناک یاد پوری نوع انسان کے اجتماعی تحت الشعور میں ایک حسین خواب کی مانند ثبت ہے، لہٰذا اس کے ذریعے عوام وخواص دونوں کے قلوب واذہان تک بآسانی رسائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ میں نے اس کے لئے ''تحریکِ خلافت پاکستان'' کے عنوان سے ایک ادارہ باقاعدہ

رجسٹر کرا کے اس کے تحت کام شروع کر دیا!''

''خلافت'' کی اصطلاح کو جدید مسلم مفکّرین اور دورِ حاضر کے علماء نے بھی واضح کیا ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر علامہ اقبال کی شاعری میں موجود ہے۔

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

مولانا ابوالکلام آزاد نے اسے اپنی تحریروں میں لکھا ہے۔ مولانا مودودی نے اپنی کتاب ''اسلامی ریاست'' میں اس پر بحث کی ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن کیلانی نے ''خلافت و جمہوریت'' کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ مولانا محمد علی جوہر کی قیادت میں ''تحریک خلافت'' کی تو کوئی دوسری مثال ہی نہیں ملتی۔ امام تقی الدین النبھانی نے اپنی تحریروں میں اسے موضوع بنایا ہے۔ سیّد قطب شہید نے اس کا ذکر کیا ہے۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ یہ اصطلاح آج کسی کے ذہن میں اچانک نہیں آ گئی ہے بلکہ گزشتہ صدی میں بھی اس کو احترام حاصل رہا ہے۔

اس میں شک نہیں ہے کہ پاکستان کا موجودہ Politico-Socio-Economic System اسلامی نہیں ہے۔ کیونکہ کہ اسلام میں نہ تو سودی لین دین کی گنجائش ہے اور نہ ہی جاگیرداری کی۔ جوئے، لاٹری اور منشیات کا خاتمہ بھی ضروری ہے اور جنسی نمائش سے کاروبار چمکانے کا بھی۔ اس سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام کو بنیاد سے تبدیل کرنے اور اسے اسلام کے قالب میں ڈھالنے کیلئے ایک انقلاب ناگزیر ہے۔ البتہ یہ بھی ضروری ہے کہ انقلابی جماعت کے کارکن غیر مسلح جدوجہد کریں۔ فلسفہء انقلاب کی رو سے انقلابی نظریہ پہلے سے موجود نظام کی جڑوں پر تیشہ بن کے گرنا چاہیے۔ کولمبیا یونیورسٹی کے پاکستان نژاد پروفیسر ڈاکٹر حسن عسکری بیان کرتے ہیں:

"Ideology: It offers a review of the existing political, social and economic arrangements. It is infact a critique existing political, social and economic order."of

گو کہ 'اسلامی جمہوریت' بھی اسی نظام کو اختیار کرنے کا نام ہے جن کا اسلام تقاضا کرتا ہے۔ لیکن اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ انقلابی نظریہ کو بڑے پیمانے پر ابلاغ کے لئے جمہوریت کی بجائے ایک دوسری اصطلاح کی ضرورت ہے۔ کیونکہ کسی بھی نظریہ کو مکمل طور پر نافذ العمل بنانے کے لئے یہ

ضروری ہوتا ہے کہ اس کو وقت کے ساتھ معاشرے کے اجتماعی شعور میں گہرا اُتار دیا جائے تا کہ یہ قوم کی PSYCHE کا لازمی حصہ بن جائے۔ ایسا کیے بغیر کوئی بھی نظریہ معاشرے میں اپنے ثمرات پوری طور پر نہیں دکھا سکتا۔ لیکن پہلے یہ بات سمجھنی ضروری ہے کہ نئے نظام کی طلب پیدا کرنے کے لئے یا اس کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ موجودہ نظام کی Refutation ضروری ہے (کلمہ طیبہ میں بھی پہلے تمام دیگر الٰہوں سے بے زاری اور پھر ایک اللہ کو ماننے کا اقرار ہے)۔ یہ کام محنت طلب تو ہوتا ہی ہے البتہ یہاں حکمت بھی مطلوب ہے۔ آپ کو اپنی تحریروں اور تقریروں میں دونوں نظاموں کا تقابلی موازنہ کرنا ہوتا ہے تا کہ بات Black & White کی طرح واضح ہو جائے۔ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت ہو جائے اور مخاطب بھی دو متضاد حقیقتوں کو سمجھنے کے بعد دوسروں کو سمجھا بھی سکے۔

اب سوچئے کہ اگر ہم پاکستان میں اسلامی نظام لانا چاہتے ہیں جبکہ ہمارے یہاں دانشوروں میں جمہوریت کے LIBERAL اور اسلامی دونوں ہی EDITIONS کی حمایت پائی جاتی ہے۔ یعنی ایسے ''تعلیم یافتہ'' حضرات بھی ہیں جو برملا یہ کہتے ہیں کہ وہ سیکولر جمہوریت کے قائل ہیں۔ لیکن زیادہ پریشانی کی بات یہ ہے کہ اکثر LIBERAL جمہوریت کے ماننے والے بھی اسلامی جمہوریت کی اصطلاح کو ڈھال بنائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ گجرات یونیورسٹی میں اقبال اکیڈمی کی جانب سے منعقدہ سیمینار بعنوان Iqbal and Present Day Problems میں مولانا عمار خان ناصر صاحب ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں کہ پاکستان کا موجودہ نظام اقبال کے VISION کے مطابق ہے (اناللہ وانا الیہ راجعون)۔ بعض حضرات تو ایسے چھپے رُستم ہیں کہ اگر ان کا BACKGROUND معلوم نہ ہو تو یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ جس بلا کو یہ ''جمہوریت'' کہہ کر پکار رہے ہیں اس کے سوتے کہاں سے پھوٹتے ہیں (ع چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر)۔ اس تناظر میں یہ بات تو طے ہے کہ عوام الناس میں ''جمہوریت'' کا کوئی ایک مفہوم طے شُدہ نہیں ہو سکتا۔ یہاں پہ دونوں EDITIONS باہم INTERMINGLE ہیں۔ اس صورتِ حال میں آپ موجودہ استحصالی نظام کو کس نام سے REFUTE کریں گے، اگر آپ کا پیش کردہ پروگرام بھی اسی اصطلاح سے متعارف کروایا

جائے تو؟ جبکہ RESEARCH میں یہ اُصول مانا جاتا ہے کہ

"Confusions about the meaning of a concept can destroy the value of its study"

لہٰذا میرا یہ احساس ہے کہ اکثر حضرات کا دینی جذبہ انہیں اسلامی انقلاب کی جدوجہد پہ اس لئے آمادہ نہیں کرتا کیونکہ انہیں مغربی اور اسلامی جمہوریت میں فرق سمجھ نہیں آتا۔ اُن بے چاروں کا کیا قصور کہ جب اُن کے سامنے شیخ الاسلام بھی کھڑے ہوکر کہہ رہے ہوں، "I am a strong believer of Democracy" اور ایک امریکی سفیر بھی یہ کہہ رہا ہو، ''ہم پاکستان میں جمہوریت کو مضبوط دیکھنا چاہتے ہیں''۔

ابلاغِ عام کے عمل میں بھی ایک گفتگو مختلف ذہنی سطح کے مطابق کرنا مشکل کام ہے۔ ہمارے یہاں تو جیسے میں نے پہلے عرض کیا ہے کہ جمہوریت کی Exeptional صورت ہے۔ کسی بھی Concept کا ایک تعارف/ مفہوم وہ ہوتا ہے جو عام لوگ سمجھتے اور بولتے ہیں۔ اور ایک اس کی Exception ہے۔ تو یہ سمجھنا کتنا مشکل ہے کہ مستعار لی گئی اصطلاح کے معنیٰ تبدیل کر کے اُس کا نیا مفہوم عوام الناس پہ واضح کیا جا سکے؟ جبکہ اس کا اصل مفہوم بھی Society میں لکھا، پڑھا اور بولا جا رہا ہو۔ فکری دنیا میں بہت بڑا مسئلہ فضا میں موجود زبردست Confusion کا ہے کہ کوئی سادہ لوح آدمی یہ طے نہیں کر پاتا کہ حقیقت کیا ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب اپنی کتاب ''دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار'' میں رقمطراز ہیں:

> ''حق و باطل کی ملاوٹ دعوت و اصلاح کے کام کو بہت مشکل اور دیر طلب بنا دیتی ہے۔ اگر مقابلہ صرف باطل سے ہو تو اس کو آسانی سے سر کیا جا سکتا ہے، لیکن جہاں حق و باطل دونوں ملے جلے ہوئے ہوں اور باطل کی حمایت کے لئے حق کو سپر کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہو وہاں حق کی حمایت میں کوئی فیصلہ کن اقدام کرنے سے پہلے داعیانِ حق کو ایک جہادِ عظیم اس مقصد کے لئے کرنا پڑتا ہے کہ وہ لوگوں پر یہ آشکارا کر سکیں کہ زیرِ بحث نظام میں اگر کچھ اجزاء حق کے ہیں تو وہ حق کی خاطر نہیں ہیں، بلکہ باطل کی خدمت کے لئے ہیں''

جیسا کہ ''مذہب'' کی اصطلاح گزشتہ کچھ صدیوں سے بین الاقوامی طور پر Private عقیدہ، رسومات اور عبادات کے لئے بولی جاتی ہے (حالانکہ اسلامی تاریخ میں یہ وسیع تر معنی میں استعمال ہوتی آئی ہے)۔ لہٰذا موجودہ محدود تصور کی اصلاح کے لئے گزشتہ صدی میں مسلمان مفکرین نے ''مذہب'' کی بجائے ''دین'' کی اصطلاح کو زیادہ مؤثر طور پہ استعمال کیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اسلام دین ہے محض مذہب نہیں۔ اسی طرح جمہوریت کی بجائے نظام خلافت کی اصطلاح کو اختیار کرنے سے موجودہ Confusion دور ہوگی۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد وہاں کے یہود رسول اللہ ﷺ کا کردار مسلمانوں کی نظر میں مجروح کرنے کے لیے غلط لقب دیتے تھے۔ جس پر قرآن میں حکم آیا ہے:

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! راعنا نہ کہا کرو بلکہ اُنظرنا کہو، اور توجہ سے بات کو سُنو'' (سورۃ البقرہ۔۱۰۴)۔

یہاں اہل ایمان کو لفظ ''راعنا'' کہنے سے منع فرمایا ہے۔ حالانکہ اس کے معنیٰ بھی غلط نہیں ہیں یعنی ''ہماری رعایت کیجئے'' لیکن ذرا سے Dialect تبدیل کر لینے سے اس کے معنیٰ توہین آمیز ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا فرمایا کہ ''اُنظرنا'' کہہ لیا کرو۔ اصطلاحات کو واضح اور غیر مبہم بنانے کی طرف قرآن نے بھی بہت زور دیا ہے۔

اسلام پسند حلقوں کا ''جمہوریت'' کی اصطلاح کو ''خلافت'' پر ترجیح دینے سے باطل کی سازشیں بھی بآسانی کامیاب ہو رہی ہیں۔ مثلاً Liberal جمہوریت کا ایک لازمی تقاضا "Women's Empowerment" ہے۔ خواتین کو آزادانہ رائے کا حق Exercise کرنے کے لئے مرد کے مقابلے میں طاقتور بنانا ہوگا۔ چنانچہ United Nations Development Programme اس ضمن میں کہتا ہے:

"Through our global network, we work to ensure that women have a real voice in all governance institutions, from the judiciary to the civil service, as well as in the private sector and civil society, so they can participate equally with men in public dialogue and decision-making and influence the decisions that will determine

the future of their families and countries."

گلوبلائزیشن کے اس دور میں تمام قومی حکومتوں پہ یہ لازم آتا ہے کہ وہ اس پر عمل درآمد کے راستے ہموار کریں۔ اور اپنے ملک میں وہ تمام سہولیات مہیا کریں جو مطلوب ہوں۔ پاکستان میں بھی یہ نفاذ ہوتے ہوتے بات اسلامی حدود سے آگے جا چکی ہے۔ خصوصی طور پہ الیکٹرانک میڈیا پہ ''خواتین کے حقوق'' کے نام پر بداخلاقی اور بدکرداری کو جواز مہیا کیا جاتا ہے۔ اور Feminist کردار Talk Shows میں قرآنی آیات اور احادیث سُناتے ہوئے اپنا مؤقف پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ ''جمہوری حقوق'' کا نعرہ تو وہ کئی بار لگاتے ہیں۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ Liberal جمہوریت میں کیا کسی کو قرآن یا حدیث سے استدلال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے؟ اور اگر نہیں تو اس کے علاوہ اور کیا کہا جائے کہ اسلامی جمہوریت کی آڑ میں باطل افکار پھیلائے جاتے ہیں۔ ٹیلی ویژن کے ناظرین جانتے ہیں کہ ان Liberal Fascists کا رویہ اتنا توہین آمیز ہوتا ہے کہ خدا کی پناہ۔ جو علماء ان کے ہتھے چڑھ جائیں وہ بالآخر دفاعی پوزیشن سنبھالتے ہوئے نظر آئیں گے۔ لہٰذا اسلامی جمہوریت کا باہر سے درآمد شدہ Edition کامیابی سے پروان چڑھ رہا ہے۔

ہمارے ایک دوست گزشتہ دنوں PEMRA کے سربراہ سے ملاقات کے لئے گئے تو ان سے کہا کہ وہ میڈیا چینلز سے فحاشی و عریانی ختم کروائیں، جبکہ سب چلاّ چلاّ کر یہ کہہ رہے ہیں۔ تو ان کا جواب تھا: ''پہلے فحاشی اور عریانی کو Define تو کر لیں!''۔ مطلب یہ کہ اسلامی اقدار کو جمہوریت کے اصولوں پہ Redefine کرنا ہوگا ورنہ اِن کا نفاذ نہیں ہوسکتا۔ درحقیقت مذہب پسند معاشروں کو Secularize کرنے کا ایک عمل ہے جس کی یہ Corollaries ہیں۔ اس ضمن میں Michael Daniel Driessen جو کہ پولیٹیکل سائنس اور بین الاقوامی تعلقات کے پروفیسر ہیں، کے PhD مقالے کا حوالہ دیتا چلوں:

> "What are the effects of bringing religion into the public sphere in new democracies, especially those, such as Islam and Catholicism, which have been considered to be hostile to democratic precepts?

I argue that a democratizing regime may win over the support of a hostile-to-democracy religion by guaranteeing that religion a voice in the public sphere. This dissertation explains this outcome as a function of the effects of religiously friendly governmental policies on both the goals of religious authorities and the political salience of the religious identities of religiously faithful individuals. These shifts in the political goals and identities of religious actors can help make democracy possible in a nation whose religious market is dominated by a society-wide religion, which I define as any major religion which can claim 70% or more of a population.s self-reported religious identity, with ambiguous or even hostile intentions toward democratic ideas and institutions."

(Dissertation Title: "Religiously Friendly Democratization: Framing Political and Religious Identities in Catholic and Muslim Societies")

اب ہمارے یہاں اہلِ فکر ونظر کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دیکھیں کہ جو عنصر بھی ان ارادوں کی تکمیل میں دانستہ یا غیر دانستہ طور پہ Supportive ہو اس کی اصلاح کرتے ہوئے اُس کا کردار تبدیل کریں۔ اس ضمن میں یہ بھی ہے کہ نئے دور کی جو اصطلاحات باطل تصوّرات کے ساتھ Bracketed ہوں ان کی جگہ ایسی اصطلاحات استعمال کی جائیں جن کی جداگانہ پہچان ہو اور ان میں کوئی ابہام نہ پایا جاتا ہو۔

ایک سوال یہ ہوسکتا ہے کہ اصطلاحات کے علمی و تکنیکی معنیٰ اور ان میں فرق و تفاوت چونکہ معاشرے کے اعلیٰ علمی و ذہنی صلاحیت رکھنے والے افراد کے لئے غیر مانوس نہیں ہوتے اور نہ ہی انہیں اس راستے سے دھوکے میں مبتلا کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ دراصل بات سمجھانا بھی انہی کو مقصود ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ لازمی نہیں ہے کہ عوامی ضرورت کے پیشِ نظر اس مشکل راستے کو اختیار کیا جائے۔

لیکن یہاں اکثر ایک مسئلہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جس تصور سے عوام الناس (جن میں عام پڑھے لکھے افراد بھی شامل ہیں) کی ناآشنائی ہو اور عام افراد اس سے حجاب محسوس کرتے ہوں یا دلی آمادگی نہ پاتے ہوں، اس تصور سے اہل علم بھی کنی کترا جاتے ہیں۔

حضور ﷺ کی حیات کا ایک اہم واقعہ ہے کہ جب روم کے بادشاہ کو اسلام کی دعوت بھجوائی گئی تو اس نے اپنا دل چاہنے پر ایک کوشش بھی کی کہ اگر کسی طرح باقی لوگ بھی مان جائیں تو اسلام قبول کرنے میں کیا حرج ہے؟ اس طرح اس کی بادشاہت بھی قائم رہے گی۔ لیکن اس میں ناکامی پر بادشاہ نے خود بھی اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

''جب ذرا کچھ روشنی انہیں محسوس ہوتی ہے تو اس میں کچھ دور چل لیتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں'' (سورۃ البقرہ۔۲۰)

ہمارے یہاں بعض حضرات جو کہ دل سے تو مخلص ہیں لیکن نادانی میں وہ ہر قسم کی جمہوریت کو کفر کہہ دیتے ہیں۔ لہٰذا جب ایک اسلامی انقلابی جماعت جمہوریت کی اصطلاح استعمال کرے تو ان حضرات کے Reactionary اعتراضات کو Tackle کرنے کے لئے نہ صرف اضافی محنت چاہئے ہوگی بلکہ ممکن ہے وہ کبھی اس بات پہ مطمئن نہ ہوں۔ ملا صوفی محمد صاحب کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ آخر کار ایک Abstract کو Reality کے مقابلے میں واضح کرنا کتنا مشکل کام ہے۔ (Psychology says: Concept are mental images of reality) لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ایسی اصطلاح ہو کہ جس سے ذہن حجاب محسوس نہ کرے۔ بلکہ کیفیت یہ ہو کہ

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ ہی میرے دل میں ہے

Neo-Orientalism میں اسلام کی مقدس ہستیوں کی شان میں جو گستاخانہ مہم چلائی گئی ہے، جس کا ذکر Center for Global Dialog کے ڈائریکٹر Dr.Munawwar A.Anees نے اپنے مقالے Islamophobia, Neo-Orientalism, And the Prophet (SAWS) میں کیا ہے، کے زہریلے

اثرات کوختم کرنے کا دیرپا حل بھی یہ ہے کہ جس نظام کا نمونہ خیرالقرون میں اُن ہستیوں نے دنیا کو دکھایا، آج اس سے پوری دنیا کو متعارف کروایا جائے۔ اور اس ''اہم ترین فرض عین'' کی جدوجہد کے دوران بھی عامۃ الناس کا ان مقدس ہستیوں کے ساتھ قلبی لگاؤ مزید گہرا کرنے کے لئے ایسی اصطلاحات استعمال کی جائیں جن سے یہ باہمی تعلق بالکل واضح ہوتا ہو۔ ورنہ ان Ideal ہستیوں سے تعلق کمزور ہو جاتا ہے۔

ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ ''خلافت'' کی اصطلاح سے جدید تعلیم یافتہ حضرات Offended محسوس کرتے ہیں۔ اور اس سے حالات میں ناسازگاری پیدا ہوتی ہے لہٰذا یہ بات کرنا اور دنیا کے سامنے اسے اعلانیہ پیش کرنا مصلحت کے خلاف ہے۔ اس لئے اس خدمتِ دین کے لئے وہ کچھ ایسی تدبیریں تجویز کرتے ہیں جو ''ممکن العمل'' ہوں اور تجربے سے دین کے احیاء میں مفید ثابت ہو چکی ہوں یا جو آگے چل کر دین کے مشن کے لئے حالات کو نسبتاً زیادہ سازگار بنا دینے والی ہوں۔ ان حضرات کے اخلاص میں شک نہیں البتہ ملاحظہ فرمائیں مولانا صدرالدین اصلاحی اپنی کتاب ''فریضہء اقامتِ دین'' کے صفحہ 82 پہ کیا لکھتے ہیں:

> ''نہ حالات کی سازگاریوں کا اندازہ لگانے کی کوئی گنجائش ہے اور نہ کامیابی کے امکانات ٹٹولنے کا کسی کو حق ہے۔ جو چیز ہمارا فریضہ زندگی قرار پا چکی وہ ہر حیثیت سے اس بات کی مستحق ہے کہ جب تک زندگی ہے اس کے لئے پوری پوری جدوجہد کرتے رہیئے۔ وہ فرض دراصل دل سے فرض مانا ہی نہیں گیا جس کو مشکلات کے اندیشے سرد خانے میں ڈلوادیں اور جو امکان وعدم امکان کی بحثوں کا زخم کھا سکے۔ اگر دعوت توحید اور اقامت دین کا کام شروع کرنے سے پہلے امکانات کا جائزہ لینا صحیح ہوتا تو یقین جانئے کہ انبیاء کی ایک بڑی تعداد اپنے مشن کا نام بھی زبان پر نہ لاتی، اس کے لئے عملی جدوجہد کا تو کیا سوال پیدا ہوتا؟ کیونکہ انبیاء علیہم السلام اقامت دین کا مشن دے کر دنیا میں عموماً بھیجے ہی اس وقت جاتے تھے جب اس کام کے لئے حالات کی ناسازگاریاں اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہوتی تھیں اور جب کلمہ حق کا نشوونما بظاہر ناممکن سے ناممکن تر ہو چکا ہوتا تھا۔ لیکن حالات کی ان شدید ناسازگاریوں اور

امکان کامیابی کے بظاہران انتہائی کم مواقع کے باوجود (جن سے ہم اپنے زمانے کی ناسازگاریوں اور دقتوں کا کوئی مقابلہ ہی نہیں کر سکتے) انہوں نے بلاتوقف کشتی سمندر میں ڈال دی، اور ذرا نہ سوچا کہ ساحل کہاں اور کدھر ہے؟ موسم پرسکون ہے یا طوفانی؟ ہوا موافق ہے یا مخالف؟ کشتی کھینچنے والے بازوؤں میں توانائی کتنی ہے؟ سمندر پیدا کنار ہے یا ناپیدا کنار؟ راستہ صاف ہے یا پانی کے اندر چٹانیں ہیں؟ اس طرح کا کوئی ایک بھی سوال نہ تھا، جس نے ان کے ذہنوں میں کبھی بار پایا ہو۔''

انقلابی نظریہ کی تمام تفصیلات ایک ہی بار سمجھ میں نہیں آجایا کرتیں۔ اس کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں اور ان کی آگے تفصیلات ہوا کرتیں ہیں۔ جب تک بات مکمل طور پر پہنچا اور سمجھا نہ دی جائے بعض اشخاص کا اجنبیت محسوس کرنا بُری بات نہیں ہے۔ ''خلافت'' کی اصطلاح سے اگر آج کوئی ابہام پیدا ہوتا بھی ہے تو اس کی بڑے پیمانے پر اشاعت سے اس کے دور ہونے کا یقینی امکان ہے کیونکہ بعد ازاں سوال اور اعتراض کا جواب دینا بھی بہر حال اہل علم ہی کی ذمہ داری ہے

''(اے محمدؐ!) آپ سے پہلے ہم نے نہ کوئی رسول ایسا بھیجا اور نہ کوئی نبی، مگر جب اُس نے تمنا کی، شیطان اُس کی تمنا میں خلل انداز ہو گیا۔ اسی طرح جو کچھ بھی شیطان خلل اندازیاں کرتا ہے اللہ اُن کو مٹا دیتا ہے۔ اللہ علیم اور حکیم ہے☆ تا کہ شیطان کی ڈالی ہوئی خرابی کو فتنہ بنا دے اُن لوگوں کے لئے جن کے دلوں کو روگ لگا ہوا ہے اور جن کے دل کھوٹے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ظالم لوگ عناد میں بہت دور نکل گئے ہیں☆ اور علم سے بہرہ مند لوگ جان لیں کہ یہ حق ہے تیرے رب ذوالجلال کی طرف سے اور اس پر ایمان لے آئیں۔ اور ان کے دل اس کے آگے جھک جائیں۔ یقیناً اللہ ایمان لانے والوں کو سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے''۔ (الحج۔۵۲۔۵۴)

ان آیات کی وضاحت کے طور پر امام ابن تیمیہؒ کا ایک قول مجھے ملا ہے:

جب تفصیل میں جایا جائے، ہر وضاحت طلب کی جائے تو راز منکشف ہو جاتے ہیں۔ رات دن سے واضح ہو جاتی ہے اور اہل ایمان و یقین اُن مدلس دھوکے باز منافقین سے ممتاز ہو جاتے ہیں جو حق کو باطل سے خلط ملط کرتے ہیں اور جانتے بوجھتے حق کو چھپاتے ہیں۔''

اہل علم جانتے ہیں کہ سفارتی زبان میں الفاظ کے معنیٰ عام بول چال کی نسبت مختلف ہوا کرتے ہیں۔ Diplomats اپنی تقریروں اور گفتگو میں بعض ایسی اصطلاحات استعمال کرتے ہیں جن میں اصطلاح کے عام معنیٰ اس بات کے عوامی اور صحافتی ابلاغ کے لئے ہوتے ہیں۔ جب کہ درحقیقت اسی کے اندر محذوف (Implied) معنی جو کہ بعض اوقات بالکل متضاد صورت حال پہ منطبق ہوتے ہیں ان کا اصل مدعا ہوتا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ایک Diplomat ان باتوں کو بآسانی Decode کر کے Speaker کا اصل مؤقف سمجھ جاتا ہے یہ Political Euphemism ''جمہوریت'' بھی ایک دورُخی تصویر ہے۔

خلافت کی اصطلاح احادیث میں بھی جا بجا آئی ہے اور قرآن میں بھی اس کا ذکر ہے۔ قرآن وسنّت کی بالادستی کے ماتحت ''جمہوریت'' کا نام لینا گناہ نہیں ہے البتہ نظریاتی مملکت کو حتی الامکان یہ کوشش کرنی چاہئے ہے کہ وہ غیروں کی اصطلاحات سے گریز کرے۔ خلافت کی اصطلاح بڑی بابرکت ہے۔ یہ اصطلاح مسلمانوں کی وحدت اور یکجہتی کی ضرورت کو بھی اُجاگر کرتی ہے اور اسی وجہ سے عالم کفر اس سے خائف ہے۔ علامہ اقبال نے اک صدی قبل جوابِ شکوہ (1913ء) میں مسلم بیداری کا سبق دیا تھا

؎ وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اِتمام ابھی باقی ہے

اور اس کا ہدف کیا ہے؟ وہ بھی واشگاف الفاظ میں کہا تھا:

؎ عقل ہے تیری سپر، عشق ہے شمشیر تری
مرے درویش خلافت ہے جہانگیر تری

سابق امریکی سیکرٹری دفاع ڈونلڈ رمزفیلڈ اپنے ایک ریڈیو انٹرویو میں کہتا ہے:

"We are up against a vicious enemy, the radical Islamists are there, they intend to try to create a Caliphate in this world and fundamentally alter the nature of nation states"

استعماری طاقتوں کا حقیقی کردار دنیا پہ واضح ہو جانے کے بعد یہ بات عالم کفر (باقی صفحہ 60 پر)
کے بجائے اسلام کے حق میں ہو جاتی ہے کہ وہ دینِ حق پر تنقید کے تیر چلائیں۔ جیسا کہ 9/11 کے بعد

دنیا نے دیکھا کہ پوری دنیا میں افراد کے مسلمان ہونے کی رفتار میں تیزی سے اضافہ ہوا ہے۔

قربِ قیامت میں پیغمبر اسلام ﷺ کے فرامین کے مطابق ہر مسلمان مانتا ہے کہ اسلام کا عالمی غلبہ ہونا ہے۔ علامہ اقبال جیسا مغربی تعلیم یافتہ انسان بھی اس کو تسلیم کرتا ہے یہ ایسی حقیقت ہے کہ اس میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں ہے اور مسلمان کے دل کی آواز ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ مستقبل میں اسلام کا یہ عالمی غلبہ روشن خیال اقدار سے حاصل ہوگا یعنی 'عوامی حاکمیت' کے تصور سے یا اللہ کی حاکمیت کا علمبردار ہونے سے مسلم بیداری کا دھارا اپنے لیے راستہ خود پیدا کرے گا اور پیغمبر اسلام ﷺ کا فرمان بہرحال پورا ہو کر رہے گا۔

(اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی پیروی کرنے کی توفیق دے اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچنے کی ہمت دے۔ آمین یارب العالمین)

تنسیخ خلافت

(3مارچ1924ء، 28رجب1342ھ)

اوراس کا ردّعمل

(حکمت بالغہ جنوری2013ءسے پیوستہ)

انجینئر مختار فاروقی

خلافت عثمانیہ کا زوال بیسویں صدی عیسوی کی پہلی دہائی میں ہی بہت گہرا ہوگیا تھا۔ آخری مرحلہ کا آغاز 1902ء آلِ سعود کے ریاض (عرب) پر قبضے سے ہوا۔ 1909ء میں سلطان عبدالحمید کو ہٹا کر استنبول میں علامتی خلافت کا آغاز ہوا (جیسے برطانیہ میں بادشاہت یا پارلیمانی جمہوریت میں صدر کا عہدہ ہوتا ہے) خلیفہ عبدالحمید کو جلا وطن ہونا پڑا۔ جنگ عظیم اوّل کے دوران سلطنت عثمانیہ نے جرمنی کا ساتھ دیا اس جنگ میں جرمنی کو شکست ہوئی تو سلطنت عثمانیہ کا بھی خاتمہ ہوگیا اور ترکی صرف ایک مسلمان اکثریت کا ملک رہ گیا۔ اسی دوران 1916ء میں عرب میں حرمین شریفین پر انگریزوں کی شہ پر شریف مکہ شریف حسین نے قبضہ کرلیا تھا۔ 1917ء میں اعلان بالفور کے ذریعے یروشلم (بیت المقدس) کا علاقہ فتح کے بعد یہودیوں کی آبادکاری کے لئے کھول دیا گیا۔

ترکی میں برطانوی استعمار نے اپنے پسندیدہ اور روشن خیال رہنما کمال اتاترک کے ذریعے اقتدار سنبھالا اور بالآخر صہیونی منصوبہ کے عین مطابق 3 مارچ 1924ء کو ترکی کی گرینڈ نیشنل اسمبلی نے ایک قانون کے ذریعے اسلامی خلافت کے ادارے کی بساط بھی لپیٹ دی۔ اس کے لئے جو قانون منظور کیا گیا اس کے الفاظ اور ان پر تبصرہ 'استنبول سے رباط تک' نامی کتاب،

مصنفہ عمران این حسین کے الفاظ میں یوں ہے:

''خلیفہ کو معزول کیا جاتا ہے، خلافت کا منصب منسوخ کر دیا گیا ہے اس لئے کہ خلافت کے معنی حکومت اور جمہوریت ہی ہیں''

اُمت کی تاریخ میں اس قانون کا منظور ہونا ایک فیصلہ کن موڑ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمان خلیفہ سے کلیتہً ''محروم'' ہو گئے تھے ورنہ بد سے بدتر حالات میں بھی خلافت کا ادارہ موجود رہا تھا اور گویا یہ بات حتمی ہے کہ عالم اسلام خلافت کے بعد کے دور میں سانس لے رہا ہے۔

تنسیخ خلافت کا ردّعمل: عالم اِسلام کے حالات وواقعات

تنسیخ خلافت ایسے وقت میں ہوئی جب مسلم اُمت مجموعی طور پر یورپی استعمار کی چیرہ دستیوں کا شکار تھی اور دین سے دُوری اور اسلام کی تعلیمات سے بے اعتنائی کے سبب زوال سے دوچار تھی۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق دنیا کبھی بھی اچھے لوگوں اور مصلحین سے خالی نہیں رہی اور ختم نبوت کے بعد تو اللہ تعالیٰ نے جہاں آسمانی وحی کا دروازہ بند کر دیا ہے وہیں قرآن پاک کی حفاظت کا اہتمام فرمایا ہے اور مسلمانوں میں سے ایک گروہ کو ہدایت پر قائم رکھا ہے۔ پھر مجدّد دین کا سلسلہ جاری فرمایا ہے تاکہ انسانوں کے درمیان ہدایت کا تذکرہ زندہ رہے۔ اس قانونِ فطرت کا مظہر یہ تھا کہ دور غلامی کے باوجود مشرق وسطیٰ، مصر اور عرب میں جو مسلمانوں کی حکومتیں تھیں باوجود یکہ وہ صہیونی اور استعماری شکنجے میں بُری طرح گرفتار تھیں جبکہ جنوبی ایشیا میں مسلمان براہ راست برطانیہ کی بدترین غلامی کا شکار تھے اس کے باوجود مشرقِ وسطی میں کم اور جنوبی ایشیا میں شدید ردّعمل سامنے آیا۔ اس دوران ایران اور افغانستان بیداری اور خواب کے درمیان کی کیفیت میں تھے جس کی وجہ سے وہاں کوئی ردّعمل سامنے نہیں آیا۔ جبکہ جنوبی ایشیا کے مسلمانوں اور عالم عرب کے مسلمانوں کا ردّعمل نوعیت کے اعتبار سے مختلف ہی نہیں شدت کے اعتبار سے بھی واضح فرق کا حامل تھا۔

☆ عالم عرب میں اس وقت تک مصر اسلامی علوم کا مرکز تھا جبکہ مکّہ اور مدینہ مقدس مقامات اور حرمین شریفین کی بدولت مسلمانوں کی اُمیدوں اور امنگوں کا مرکز تھا۔

☆ ترکی میں تنسیخ خلافت کے قانون کی منظوری اور اس پر دستخطوں کی سیاہی ابھی خشک بھی نہیں ہوئی تھی کہ مصر میں صرف 22 روز بعد الازہر یونیورسٹی کے ریکٹر نے مصری علماء اور زعماء سے ملاقاتیں کر کے ایک اعلامیہ جاری کر دیا جس کا خلاصہ یہ ہے:

''خلافت، جو امامت کے ہم معنی ہے، دینی اور دنیاوی معاملات میں تمام مسلمانوں کا مسئلہ ہے کیونکہ یہ پوری ملت کے مفادات کی نگہداشت اور اُمت کے معاملات کو چلانے کی ضامن ہوتی ہے''

امام کی توضیح کے بارے میں علماء کا کہنا تھا کہ اس سے مراد:

''.....وہ نائب ہے جس کے ذمے مذہبی قوانین کی نشر و اشاعت، ان کا نفاذ اور دنیاوی معالات کو شریعت کے مطابق چلانا ہوتا ہے''

''اہل حل وعقد کی طرف سے بیعت کے نتیجے میں یا بصورت دیگر اپنے پیشرو کی جانب سے بطور جانشین نامزدگی کے ذریعے امام کا تقرر عمل میں لایا جاتا ہے''

''اگر صورتحال ایسی ہو کہ کوئی فریق ناجائز طور پر خلافت پر قابض ہو جائے تو طاقت کے ذریعے بھی یہ منصب حاصل کیا جا سکتا ہے اور اس منصب کو مزید تقویت دینے کے لئے پہلے خلیفہ کو فتح حاصل کرنے والے شخص کی بیعت کرنے کا موقع دیا جا سکتا ہے۔ ماضی میں بیشتر خلفاء کا معاملہ اسی طرح کا رہا ہے''

یہ صورت حال مسلمانوں کی کسمپرسی کا واضح ثبوت تھا اس صورت حال کا عمران این حسین صاحب نے صحیح تبصرہ کیا ہے، ملاحظہ فرمائیے:

''الازہر کے علماء تمام دنیا کے مسلمانوں کے نمائندوں کی کانگریس کے ذریعے نئے خلیفہ کے انتخاب کی تجویز دے رہے تھے جبکہ پہلی صدی کے نصف اوّل کے بعد سے لے کر اسلام کی پوری تاریخ میں کبھی بھی عوام نے خلیفہ کا انتخاب نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس پوری تاریخ میں مسلمان وعوام کی کسی اسمبلی یا کانگریس نے خلیفہ منتخب کیا تھا۔ چنانچہ یہ تجویز پہلے ہی مرحلے میں مشکلات کا شکار ہوگئی جس کمیٹی کو کانگریس کے انعقاد کی ذمہ داری سونپی گئی تھی وہ اصل مسئلے کو چھوڑ کر نئے خلیفہ کے انتخاب کے

مسئلے میں اُلجھ کر رہ گئی، البتہ ایک بہت اہم بات یہ سامنے آئی کہ اسلام کی پوری تاریخ میں پہلی مرتبہ جید علماء کی طرف سے یہ تجویز پیش کی گئی کہ اُمت کو درپیش اہم مسائل پر مسلمانوں کی ایک نمائندہ اسمبلی یا کانگریس میں بحث کی جاسکتی ہے۔ واقعہ یہ ہے جہاں تک مجوزہ کانگریس میں شوریٰ اور اجماع کے ذریعے فیصلہ کرنے کا تعلق ہے، تو مسلمانوں کی خلافت راشدہ کے بعد کی تاریخ کی نسبت یہ طریقہ کار حقیقی اسلام سے قریب تر ہوتا۔''

جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کو تنسیخ خلافت کے اعلان سے پہلے کے اقدامات نے ہی سخت برانگیختہ کر دیا اور علامہ اقبال کی شکوہ، شمع اور شاعر اور جوابِ شکوہ جیسی نظموں، مولانا ابوالکلام آزاد کی البلاغ اور الہلال (1912ء-1916ء) کے ذریعے دعوت اور بعد ازاں مسلم زعماء پر بغاوت کے مقدّمات سے گرم مسلم خون نے جوش مارا اور تحریک خلافت جیسی بے نظیر تحریک برپا کر دی۔ ایسی تحریک کہ جس نے پورے جنوبی ایشیاء کو ہلا کر رکھ دیا، برطانوی اقتدار ڈول گیا جبکہ ہندو قوم نے محسوس کیا کہ اگر اس مسلم بیداری اور تحریک خلافت سے برطانوی بوریا بستر گول ہو گیا تو سارا اقتدار واپس مسلمانوں کے ہاتھ آجائے گا لہٰذا کہاں تحریک خلافت اور کہاں ہندو قوم کے نظریات، گاندھی جیسا آدمی اپنی پوری قوم کے ساتھ تحریک خلافت میں کود پڑا۔ یہ اقدام گاندھی کا خالص ہندو مفادات کی خاطر تھا یا اس میں برطانوی سامراج کا کوئی اشارہ بھی شامل تھا یہ ابھی واضح نہیں ہو سکا تاہم اس واقعہ سے آج بھی اس تحریک کی شدت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس تحریک کے جذبے کو دیکھ کر علامہ اقبال نے قوم کو امید دلائی اور 'طلوع اسلام' جیسی نظم لکھی جس سے مسلمان نوجوانوں کو جذبہ، ولولہ اور حوصلہ ملا اور امت مسلم کی اجتماعی سوچ کو ایک سمت مل گئی۔ یہ تحریک فوری نتائج کے اعتبار سے ناکام ہو گئی اس لئے کہ ترکی نے تنسیخ خلافت قانون منظور کر لیا لہٰذا بحالی خلافت کا نعرہ دم توڑ گیا تاہم جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کو خلافت، بحالی خلافت، نظام خلافت اور ایک عادلانہ اجتماعی نظام کا حسین خواب ضرور نظر آیا جو 1947ء میں شرمندہ تعبیر ہو گیا۔

مصر میں خلافت کانفرنس مئی 1926ء

عالم عرب میں تنسیخ خلافت کے استعماری 'جبر' نے یورپی اقوام کے خلاف نفرت کی بجائے ''ذاتی مفادات اور حب تفوق'' (URGE TO DOMINATE) کے جذبے کو ہوا دی۔ مصر میں جامعہ الازہر کی مناسبت سے عالم اسلام کی رہنمائی اور قیادت کے لئے ایک دبے ہوئے جذبے نے انگڑائی لی اور دو سال بعد مئی 1926ء میں قاہرہ میں ایک خلافت کانفرنس منعقد ہوئی اس میں غیر سرکاری سطح کے وفود شامل ہوئے مگر ترکی، فارس (موجودہ ایران)، افغانستان، نجد (موجودہ سعودی حکومت) نے شرکت نہیں کی۔ ترکی نے اسے اپنے معاملات میں مداخلت سمجھا (اور دراصل برطانوی آقاؤں کے ایما پر) شرکت سے انکار کر دیا۔ ایران کے شیعہ رہنماؤں کے نزدیک خلافت ویسے ہی کوئی مسئلہ (ISSUE) نہیں تھا۔ روس، چین اور برطانوی ہند کے مسلمانوں نے اسے محض علمی نوعیت کا اجتماع سمجھا اور قوت نافذہ کے فقدان کی وجہ سے اسے نظر انداز کر دیا۔ اس کانفرنس میں امت مسلمہ کے لئے عالمی اور مرکزی رہنمائی اور قیادت کی ضرورت و اہمیّت کو اجاگر کیا گیا اور اس کی بحالی کے لئے کوششیں جاری رکھنے کا جذبہ بیدار ہوا۔ تاہم یہ بات یقینی تھی کہ اس عالمی خلافت کے لئے حرمین شریفین کی تولیّت والے ملک کی شرکت لازم تھی اس کے بغیر عالم اسلام کسی کو قائد اور رہنما تسلیم نہیں کرے گا اور تاریخ میں اسی تصوّر کا تسلسل موجود ہے۔ اس کانفرنس میں خلافت کی تشریح اور خلیفہ کے مطلوبہ اوصاف، اس کی ضروت، اس کے انعقاد کا طریقہ کار پر غور کیا گیا نیز اس بات پر بھی غور کیا گیا کہ ایسی 'خلافت' فی الوقت قائم کی جاسکتی ہے جو شریعت کے تقاضے پورے کرے، بصورت دیگر کیا ہونا چاہئے اور اگر یہ اجتماع خلیفہ مقرر کر دے تو اس فیصلے کو علمی جامہ کیسے پہنایا جائے گا۔

1926ء کی مصر میں منعقدہ اس کانفرنس کی کاروائی سخت مایوس کن تھی اس کانفرنس کے 13 مئی، 15 مئی، 18 مئی اور 19 مئی کو چار اجلاس ہوئے، تین کمیٹیاں قائم ہوئیں جنہوں نے رپورٹ پیش کی۔ خصوصی کمیٹی جس کے ذمے 'خلافت کی تشریح' وغیرہ کے معاملات تھے اس کمیٹی نے بڑے غور وخوض کے بعد جو رپورٹ پیش کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ الازہر کے علماء جدید ریاستی ڈھانچہ سے ناآشنا تھے اور کوئی قابل عمل اور عصر حاضر کی روح کے مطابق تجویز نہ

لا سکے جبکہ دوسری کمیٹی کی رپورٹ حقیقت پسندانہ اور صحیح سمت میں ایک روشنی کی کرن تھی جس نے اصل ضرورت کا احساس دلایا کہ

'آج مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں ان کو مدّنظر رکھتے ہوئے خلافت کا احیاء بعید از قیاس ہے'.....'سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ایسا کوئی با اختیار ادارہ موجود نہیں جسے قانوناً بیعت کا اختیار حاصل ہو'۔

حجاز سعودی خاندان کے کنٹرول میں

حرمین شریفین پر کنٹرول اور حکومت کے باعث خلافت کے ختم کیے جانے کے فوراً بعد شریف مکہ نے خود خلافت کا دعویٰ کر دیا تھا اور اس کے لئے موقع تھا کہ کسی طرح اس دعویٰ کو عالم اسلام کی اشیر باد حاصل ہو جائے مگر مسلمانوں کے اجتماعی ضمیر نے ایسا فیصلہ قبول نہ کیا کیونکہ شریف مکہ کی پشت پر در پردہ برطانوی سامراج ہی کارفرما تھا

شریف کے دعویٰ خلافت سے 'نجد' میں قائم سعودی خاندان کی حکومت (جو 1902ء میں ریاض پر قبضہ سے چلی آ رہی تھی) سعودی خاندان کے لئے جواز بن گیا اور اس نے چند ماہ بعد ہی حجاز پر حملہ کر دیا۔ سعودی خاندان کے لئے یہ جواز اس کی وجہ سے بھی تھا کہ شریف مکہ نے 1916ء میں عثمانی حکومت سے حجاز کا علاقہ چھین کر اپنی حکومت قائم کی اور اس نے ایک خطرہ کے پیش نظر 'وہابیوں' کے لئے حج پر پابندی لگا دی تھی (عقائد کے اختلاف کے علاوہ یہ کیفیت اسی طرح کی تھی جیسے آج سے تین عشرے پہلے انقلاب ایران کے بعد سعودی حکومت کو ایران سے ہو گئی ہے)

سعودی خاندان نے 5 ستمبر 1924ء کو طائف، 13 اکتوبر کو مکہ اور 5 ستمبر کو مدینہ فتح کر لیا۔ دو ہفتے بعد جدہ بھی فتح ہو گیا تو توقع کے مطابق مکہ کے سرداروں نے سعودی خاندان کی حکومت کو تسلیم کر لیا، یوں جزیرہ العرب سعودی خاندان کے تحت متحد ہو گیا۔

ورلڈ مسلم کانگریس مکّہ جولائی 1926ء

برطانوی سامراج نے اسلام دشمنی میں عالم عرب باہمی چپقلش اور آویزشوں کے کانٹے بوئے تھے، اسی کے تحت مصر کی عالمی کانفرنس مئی 1926ء کے فوراً بعد جولائی 1926ء میں

حج کے موقع پر سعودی خاندان کی طرف سے ایک عالمی کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ یہ کانفرنس اس وقت نہایت کامیاب رہی کہ اوّلاً سرکاری سطح پر تھی اور انتظامات واخراجات مناسب تھے، ثانیاً حج کا موقع تھا عالم اسلام سے علماء وفضلا واکابرین ویسے ہی حرمین شریفین آنا سعادت سمجھتے ہیں اور ثالثاً ایسے حکمرانوں کی طرف سے تھی جو حرمین شریفین کا کنٹرول حاصل کر چکے تھے۔ مکہ کانفرنس کے بارے میں بعض تفصیلی امور ہم یہاں عمران این حسین صاحب کی کتاب ''استنبول سے رباط تک'' سے نقل کر رہے ہیں:

1۔ کانگریس کا افتتاحی اجلاس میں سعودی حکمران ابن سعود نے حجاز کی افسوسناک تاریخ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ شریف حسین نے حجاز کو غیر مسلم تسلط میں دے دیا تھا اس بات سے ابن سعود کا مقصد نجد کی طرف سے حجاز پر قبضے کے لئے جواز پیدا کرنا تھا۔ بادشاہ نے اطمینان کا اظہار کیا کہ حجاز پر قبضے کی بدولت تحفظ اور امن کا ماحول قائم ہو گیا ہے۔ اس افتتاحی بیان میں ابن سعود نے ایمانداری کا مظاہرہ نہیں کیا تھا اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ برطانوی حکومت کا جزیرہ نمائے عرب میں اثر ورسوخ بڑھانے میں شریف حسین کے ساتھ خود ابن سعود کا بھی مساوی حصہ تھا۔ بادشاہ نے افتتاحی خطاب کے ذریعے کانگریس کے شرکاء پر وہابی حکومت کا بہترین تاثر چھوڑنے کی کوشش کی۔ تاہم اس نے یہ کہہ کر کہ کانگریس میں بین الاقوامی سیاست کو نہ چھیڑا جائے گویا اس بات کا اقرار کر لیا کہ سعودی وہابی حکومت کی بقا اور برطانیہ کے ساتھ اس کے قریبی تعلق کو امت کی آراء پر فوقیت حاصل رہے گی۔ اس کے بجائے ابن سعود نے کانگریس کے شرکاء کو یہ بے ضرر کام سونپا کہ وہ حرمین کو اسلامی ثقافت اور تعلیم کے بہترین مراکز بنانے اور اس علاقے کی بہبود کے لئے مناسب طریقوں پر غور کریں۔ افتتاحی خطاب سے صاف ظاہر تھا کہ ابن سعود مذہب اور سیاست کو مصنوعی طور پر جدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور اس کے خیال میں مسلمانوں کے اس عالمی اجتماع کے لئے لازم تھا کہ وہ فقط مذہب اور مذہبی امور تک محدود رہیں۔ اسلام کی تاریخ میں یہ گویا ایک نہایت غلط اور بری بدعت کا آغاز تھا۔ بادشاہ کی کوشش تھی کہ اسلام کو جو اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ''دین'' ہے کسی طرح مغربی لادینی تصورات کے سانچے میں ڈھال کر محض ایک ''مذہب'' بنا دیا جائے۔

2 جولائی 1926ء کو 15 ویں جلسہ عام کے موقع پر ابن سعود نے ایک مرتبہ پھر کانگریس کے شرکاء تک اپنا موقف پہنچانے کی کوشش کی اس کی خواہش تھی کہ حجاز پر سعودی وہابیوں کے قبضے کو بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں سے تسلیم کرالیا جائے۔اس نے کہا کہ ہم اس مقدس سرزمین میں کسی قسم کی غیر ملکی مداخلت برداشت نہیں کریں گے، ملک میں ہر کام شریعت کے مطابق ہوگا، حجاز میں لازمی طور پر ایک غیر جانبدار حکومت ہونا چاہیے جو نہ کسی پر حملہ کرے اور نہ کوئی اس پر حملہ کرے۔اس غیر جانبداری کے لئے تمام آزاد مسلم ممالک کو ضمانت دینا ہوگی۔حجاز کو مختلف مسلم ممالک سے جو مالی امداد ملتی ہے اس کی مناسب تقسیم کے سوال پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔

2۔ مکہ کانگریس کے شرکاء نے ابن سعود کی طرف سے دی گئی آزادی اظہار کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آزادی کے ساتھ تقاریر کیں۔مجموعی طور پر مقررین نے بین الاقوامی سیاست پر بحث نہیں کی، نہ ہی خلافت کا مسئلہ زیر گفتگو لایا گیا تاہم یہ مطالبہ ضرور کیا گیا کہ برطانیہ نے مان اور عقبہ کے علاقوں کو شرق اردن میں شامل کر کے جو قدم اٹھایا ہے اسے واپس لیا جائے اور ان علاقوں کو دوبارہ حجاز کے کنٹرول میں دیا جائے۔ابن سعود کے چار نکات کے جواب میں کانگریس کے شرکاء نے بحث وتمحیص کے بعد ہوشیاری اور حکمت کے ساتھ اسلام سے اپنی وفاداری کا اظہار کیا اور ابن سعود کی خواہشات کی تصدیق نہیں کی۔ابن سعود کے لئے یہ ایک بڑا دھچکا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کانگریس اس کے بعد 20 برس تک بالکل خوابیدہ پڑی رہی البتہ ایک دوسرے پیچیدہ معاملے میں کانگریس نے ابن سعود کی خواہش کی تکمیل کر دی۔شاہ سعود نے کہا کہ اگرچہ مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر حرمین میں عبادت کے لئے آزاد ہیں تاہم وہابی انتظامیہ کسی غیر شرعی حرکت کو برداشت نہیں کرگی۔اس مسئلے پر کافی گرما گرمی ہوئی تاہم شیخ الظواہری نے مفاہمت کروا کر ایک مشترکہ قرارداد پر اتفاق رائے حاصل کر لیا جس میں رسوم عبادت کی آزادی کا مطالبہ شامل تھا لیکن وہابیوں نے جن مزاروں کو منہدم کر دیا تھا ان کی تعمیر نو کے متنازعہ مسئلے کو نہیں چھیڑا گیا۔اس معاملے میں خصوصاً ہندوستانی وفد کافی ناراضگی کا ساتھ واپس لوٹا۔

3۔ مکہ کانگریس میں جو مفید کام ہوئے ان میں حج کے انتظامات میں بہتری، مواصلات خصوصاً حجاز ریلوے کا معاملہ، طبی سہولتیں، خوراک اور پانی کی فراہم جیسے نکات شامل تھے۔یہ وہ

مسائل تھے جن سے حاجیوں کو ہر سال سابقہ پیش آتا تھا اور کانگریس نے ان پر بحث کر کے کئی مفید قراردادیں منظور کیں۔

تنسیخ خلافت سے پہلے اور بعد

خلافت عثمانیہ نے چار صدیاں جس اُبھرتے ہوئے یورپی صہیونی ابلیسی سامراج کا راستہ روکا اور روسی 'خضار' اور یورپی خضار (یعنی پروٹسٹنٹس) کا سینہ تان کر مقابلہ کیا، وہ خلافت کے ادارے کا ہی اعزاز ہے۔ اس صورت حال کے بارے میں برطانوی ہند میں تحریک کے دوران 1920ء میں مولانا ابوالکلام آزاد کے صدارتی خطاب کا اقتباس کافی حد تک چشم کشا ثابت ہوگا۔ مسئلہ خلافت اور جزیرہ نمائے عرب کے نام سے مطبوعہ، یہ خطاب 29 فروری 1920ء کو کلکتہ میں کیا گیا تھا۔

''ہر انسان جو دو اور دو کو صرف چار ہی کہنا چاہتا ہو اس کا اقرار کرے گا کہ بجز سلاطین عثمانیہ اور ترکوں کے مسلمانوں کی کوئی حکومت اور قوم نہیں ہے جس نے قرون اخیرہ میں حفظ اسلام وملت کی یہ خدمت انجام دی ہو۔ اور جو فرض تمام مسلماناں عالم کے ذمے عائد ہوتا تھا، اس کو سب کی طرف سے تن تنہا پورا کرتے رہے ہوں؟ حقیقت یہ ہے کہ ترکوں کا یہ وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جس کی نظیر قرون اولیٰ کے بعد مسلمانوں کی کسی حکمراں قوم کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔ صرف صلاح الدین ایوبی کی دعوت اس سے مستثنیٰ ہے جس نے یورپ کے متحدہ مسیحی جہاد کو شکست دی تاہم وہ بھی ایک محدود زمانے کا جہاد تھا۔ مسلسل تین چار صدیوں تک صرف ترکوں ہی کی اسلامی مدافعت قائم رہی ہے، ان پوری چار صدیوں میں تمام روئے زمین کے مسلمان اس اولین قومی فرض سے غافل رہے۔ کسی قوم نے ایک زخم بھی اس مقدس راہ میں نہیں کھایا۔ کسی بادشاہ نے ایک قدم بھی اس کے لئے نہیں اٹھایا۔ صرف تن تنہا ترک ہی دنیا بھر کے مسلمانوں کی جانب سے یہ پورا انجام دیتے رہے۔ انہوں نے تمام مسلمانان عالم کو عیش وراحت کے بستروں پر چھوڑ دیا۔ خود اپنے لئے خاک وخون کی دائمی زندگی پسند کی۔ اگر ان قرون اخیرہ میں کہ مسلمانوں کا تنزل واد بار آخری درجہ تک پہنچ چکا تھا، اور علی الخصوص فرض دفاع و جہاد کو سنام دین، عماد ملت، اساس شرع ہے۔ تمام روئے زمین کے مسلمان چھوڑ بیٹھے تھے، ترکوں کی جانفروش وسرباز جماعت تن تنہا نہ سنبھال لیتی تو

نہیں معلوم آج جغرافیہ عالم میں مسلمانوں کی آبادیوں کا کیا حال ہوتا؟ اور جو مصیبت اس وقت درپیش ہے وہ کب کی آچکی اور مسلمانوں پر سے گزر چکی ہوتی؟ تمام دنیا کے مسلمانوں پر ترکوں کا یہ وہ احسان عظیم ہے کہ اگر اس کے معاوضہ میں مسلماناں عالم ان پر اپنا سب کچھ قربان کر دیں پھر بھی ان کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ اگر گزشتہ صدیوں میں مسلمانوں نے بادشاہتیں کی ہیں تو صرف انہی کی بدولت اور آج اگر بادشاہتیں کھو کر بھی کچھ نہ کچھ عزت کی پونجی اپنے ساتھ رکھتے ہیں تو صرف انہی کی بدولت۔ مسلمان خواہ دنیا کے کسی حصہ میں بستا ہو چین میں یا افریقہ کے بعید گوشوں میں، لیکن صدیوں سے اس کی قومی زندگی، قومی عزت، قومی عیش و آرام، اور وہ سب کچھ جو ایک قوم کے لئے ہے اور ہو سکتا ہے صرف ترکوں ہی کی طفیل ہے اور انہی کا بخشا ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کا فرض ہوا کہ ترکوں کی مدد کریں۔ لیکن ترکوں کے لئے یہ کچھ ضروری نہیں کہ وہ ہندستان یا افریقہ میں بانٹنے کے لئے روپیہ بھیجتے رہیں، وہ تو چار صدیوں سے وہ کام انجام دے رہے ہیں جس کے تصور سے بھی ہم مسلماناں ہند کے دل کانپتے اور جس کے وہم سے ہی ہم پر موت طاری ہو جاتی ہے؟ یعنی اپنی جانیں اسلام کی حفاظت کی راہ میں قربان کر رہے ہیں اس سے بڑھ کر اور کون سا کام ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے کیا جا سکتا ہے اور اس کے بعد کیا رہ گیا جس کی طلب اور سوال ہو؟ بہت ممکن ہے کہ کسی دوسرے حصے کے مسلمانوں نے ترکوں سے زیادی نمازیں پڑھی ہوں لیکن نماز کی بقاء کی راہ میں ان سے زیادہ اپنا خون کسی نے نہیں بہایا۔ بہت ممکن ہے کہ عرب اور ہندوستان کے مسلمانوں کی زبانوں نے ان سے زیادہ قرآن کی تلاوت کی ہو، لیکن قرآن کی حفاظت کی راہ میں چار سو برس سے زخم صرف انہی کے سینے کھا رہے ہیں۔ اگر اللہ کی شریعت حق ہے اور اگر قرآن وسنت کا فیصلہ باطل نہیں تو ہمیں یقین کرنا چاہیے کہ دوسرے ملکوں کے ہزاروں عابد زاہد مسلمانوں سے جن کے دلوں میں کبھی جہاد فی سبیل اللہ کا خطرہ بھی نہیں گزرتا، ترکوں کا ایک گناہگار و معصیت آلود فرد اللہ کے آگے کہیں زیادہ فضلیت و محبوبیت رکھتا ہے۔ ہماری مدت العمر کی عبادتیں بھی ان کے سینے کے ایک خونچکاں زخم اور اس سے بہنے والے ایک قطرۂ خون کی عظمت نہیں پا سکتیں۔''

1926ء کی قاہرہ اور مکہ کانفرنس کے بعد مصر کی حکومت اور سعودی حکومت میں آویزش

تو برقرار رہی ہے مگر مجموعی طور پر 'خلافت اسلامیہ' کے مقاصد کے حصول یعنی عالم اسلام کی وحدت اور یکجائی کے لئے پیش رفت نہیں ہوسکی۔

یہ بات یقینی ہے کہ قرآن مجید کی آیت (09-19) کی روشنی میں حجاج کرام کے سقایہ اور حرمین شریفین کی آبادکاری اور رونق کے لئے سہولتوں کی فراہمی کو ہی اپنا فرض منصبی سمجھ لینا اور 'جہاد' نہ کرنا اسلام کے اجتماعی احکام اور حکومت واقتدار کا صحیح استعمال ہرگز نہیں ہوسکتا۔

مکہ کانفرنس میں خواہش کا اظہار کیا گیا کہ حج کے موقع پر ایسی کانفرنس ہر سال ہو مگر ــــــ بوجوہ 1926ء کے بعد دو دہائیاں خاموشی سے گزر گئیں۔

اقصیٰ اسلامی کانگریس یروشلم دسمبر 1931ء

برطانوی ہند میں عثمانی خلافت کے خاتمے کا شدید ردِّعمل تھا جس کی پشت پر چار صدیوں میں آنے والے مجددین اُمت کی مساعی کا رنگ شامل تھا۔

علامہ اقبال جوابِ شکوہ (1931ء) میں کہہ چکے تھے کہ

؎ وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

اور ؎ عقل سے تیری سپر عشق ہے شمشیر تری
میرے درویش خلافت ہے جہانگیر تری

اس پر مستزاد اُنہوں نے خلافت کے قیام کے لئے مناسب تیاری پر بھی زور دیا۔

؎ تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈھ کر اسلاف کا قلب وجگر

اس سے بھی ایک قدم آگے ایک فرمانِ رسالت ﷺ کی روشنی میں مسلمان نوجوانوں کو شمع وشاعر (1912ء) میں یہ فرمایا:

؎ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی

؎ شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے

یہ چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے

'طلوعِ اسلام' کے عنوان سے نظم میں یہ بھی فرمایا:

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہِ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی

اس پس منظر میں جنوبی ایشیا کے مسلمانوں اور فلسطین کے مسلمانوں نے ایک کانفرنس یروشلم میں دسمبر 1731ء میں منعقد کرنے کا اہتمام کرلیا۔ اس کانفرنس کے بارے میں چند اُمور پیش خدمت ہیں:

☆ قاہرہ اور مکہ کانفرنسیں برائے آزاد علاقے سہی فلسطین تو برطانوی کمان کی ناک کے عین نیچے تھا جہاں اس کانفرنس کا انعقاد ہوا گویا عین 'دارالحرب' میں۔

☆ اس کانفرنس کے انعقاد کے لئے جو اسباب پیدا ہوئے وہ بڑے دلچسپ ہیں۔ اس لئے اس کے تذکرے کے بغیر گفتگو موثر نہیں ہوگی۔

1930ء_ 1931ء میں برطانیہ نے ہند کے رہنماؤں کو برطانیہ میں ایک گول میز کانفرنس میں جمع کیا اس موقع پر استعماری منصوبے کیا تھے وہ جانیں ـــــ مسلمانوں کے وفد کے ایک نمائندے مولانا محمد علی جوہر بیماری کے باوجود کانفرنس میں شریک تھے۔ اُنہوں نے اپنی تقریر میں یہاں تک کہہ دیا کہ میں آیا ہوں یا تو مجھے آزادی کا پروانہ دینا ہوگا یا مجھے قبر کے لئے جگہ دینا ہوگی کہ میں محکوم ملک میں دفن ہونا پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا۔ 4/جنوری 1931ء کو برطانیہ میں ہی مولانا محمد علی جوہر کا انتقال ہوگیا۔ اب برطانیہ کی حکومت کے لئے بڑا مسئلہ بن گیا۔ دونوں طرف شدید جذبات تھے بالآخر برطانیہ کو بھی نفرت سے بچانے کے لئے مولانا محمد علی جوہر کو نہ برطانیہ نہ ہند بلکہ بیت المقدس میں دفن کرنے کا فیصلہ ہوا۔ مولانا کی میت کو برطانیہ سے لاکر بیت المقدس میں دفن کرنے کے سرکاری انتظامات ہوئے اسی موقع پر مسلمان زعما بھی فلسطین آئے۔ مولانا شوکت علی کی ملاقاتیں مفتی اعظم فلسطین سے بھی ہوئیں اُنہی ملاقاتوں میں جذبات کے اظہار کا موقع ملا تو مشورہ سے یروشلم میں کانفرنس کا فیصلہ ہوا جو چند ماہ بعد دسمبر 1931ء میں منعقد ہوسکی۔

☆ یہ کانفرنس یروشلم (بیت المقدس) میں حضرت محمد ﷺ کے واقعہ معراج کی مناسب

سے 27 رجب کو منعقدہ ہوئی۔

☆ اس کانفرنس میں شرکت کے لئے تمام علاقوں سے وفود شریک ہوئے اجلاس منعقد ہوئے۔ بڑے مفید پروگرام مرتب ہوئے مگر بعد کے حالات اور درحقیقت برطانوی سامراج کے منصوبوں سے ٹکراؤ کی وجہ سے اُن فیصلوں پر عمل درآمد نہ ہوسکا پھر دوسری جنگ عظیم برپا ہوگئی جس سے تمام اُمیدوں پر اوس پڑ گئی۔

جنوبی ایشیا میں تحریک خلافت کے پس منظر کے ساتھ

اسلامی جذبے کی بنیاد پر پاکستان کا قیام

تنسیخ خلافت کے بعد کے مراحل میں مشرقِ وسطیٰ اور جنوبی ہند میں جذبات ٹھنڈے پڑ گئے۔ برطانوی استعمار نے جبر کے ہتھکنڈے استعمال کر کے اور سازشیں بروئے کار لاتے ہوئے سرگرم مسلمان رہنماؤں اور قیادتوں کو بے اثر کر دیا۔ قاہرہ اور مکہ سے بھی دوعشرے کوئی آواز نہ آسکی۔

تحریک پاکستان میں علامہ اقبال کا دیا ہوا جذبہ اور رہنمائی، بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کے بیانات اور پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ اِلا اللہ کا نعرہ ساری دنیا میں گونج اُٹھا اور قیامِ پاکستان کے بعد ساری مسلم دنیا کی نگاہیں پاکستان پر مرکوز ہوگئیں۔

سقوطِ خلافت کے وقت جو جذبہ بیدار ہوا تھا اُس نے آخرکار قیامِ پاکستان کی شکل اختیار کر لی اور 14/اگست 1947ء کو لیلۃ القدر میں (27/رمضان المبارک 1366ھ) بروز جمعہ پاکستان وجود میں آ گیا۔

پاکستان کے دوسرے یومِ آزادی 14/اگست 1948ء کو 25 مسلم ممالک کے فوجی وجود نے پریڈ میں شرکت کی اور 1949ء کی یومِ آزادی پر 33 ممالک کے وفود نے شرکت کی۔ ملک کو اسلامی جمہوریہ پاکستان قرار دے دیا گیا اور فروری 1949ء میں قراردادِ مقاصد منظور ہوگئی۔

پاکستان-ورلڈ مسلم کانگریس کا احیاء

1949ء سے 1954ء تک

خلافت کے خاتمے سے جو خلاء پیدا ہو گیا تھا اسے پر کرنے اور مسلمانان عالم کو دوبارہ اتحاد اور یکجہتی کی راہ پر ڈالنے کے لئے جنگ عظیم دوئم کے بعد جو پہلی کوشش ہوئی اس کی سعادت نوزائیدہ اسلامی مملکت پاکستان کے حصے میں آئی۔ 1926ء میں منعقد ہونے والی پہلی ورلڈ مسلم کانگریس کے 23 سال بعد اس ادارے کو فروری 1949ء میں پاکستان میں دوبارہ زندہ کیا گیا۔ پاکستان کے پیش نظر بظاہر مسلمانوں کے بین الاقوامی اتحاد کے ذریعے بھارتی خطرے کے خلاف اپنی سلامتی کا دفاع کرنا تھا۔ انتہائی غیر یقینی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے پاکستان نے اسلام کو اپنی خارجہ پالیسی میں ایک اہم عنصر کے طور پر استعمال کیا۔ اگرچہ پاکستان نے اپنی سلامتی کے تحفظ کے لئے سہی، مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور یکجہتی پیدا کرنے کا عمل شروع کر کے اسے ایک حد تک تقویت تو فراہم کر دی لیکن ساتھ ہی خود امریکہ کی جھولی میں جا گرا۔ قائداعظم کی وفات کے بعد قیادت کو جب بھارتی خطرات کا سامنا ہوا تو اس کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ ملک کے تحفظ کے خاطر ''بین الاقوامی اتحاد پالیسی'' کا سہارا لیا جائے۔

انٹرنیشنل اسلامک اکنامک کانفرنس

پاکستان کی سربراہی میں دسمبر 1949ء میں ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کراچی میں منعقد ہوئی جس میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ تمام اسلامی ممالک آپس میں بینکنگ، جہاز رانی اور انشورنس جیسے شعبوں میں تعاون کا فوری طور پر آغاز کریں۔ کانفرنس نے کراچی کو اپنا صدر مقام بنانے کا فیصلہ کیا گیا جس کے لئے وہاں ایک سیکرٹریٹ قائم کرنے کی تجویز منظور کی گئی۔ اس کے علاوہ کئی ایک اہم شعبوں میں (جن میں زراعت کا شعبہ سرفہرست تھا) تعاون بڑھانے کا فیصلہ کیا گیا۔ کانفرنس میں مندرجہ ذیل فیصلے کیے گئے:

* ماہرین کے ایسے مستقل گروپ قائم کئے جائیں جو تھوڑے تھوڑے وقفوں سے اپنے اجلاسوں کے مختلف مسلم ممالک کے درمیان مالی تعاون کا جائزہ لیتے رہیں۔

* بنکاری سے متعلق شرائط طے کرنے میں ایک دوسرے سے تعاون کیا جائیت۔ ایک ملک سے دوسرے ملک میں رقوم کی منتقلی میں سہولتیں پیدا کی جائیں۔
* بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے ساتھ روابط میں ہم آہنگی پیدا کی جائے۔ مسلمان ممالک سے متعلق مالی معلومات اور اعداد و شمار کی فراہمی اور باہمی تبادلہ وغیرہ۔

ورلڈ مسلم کانگریس

فروری 1951ء میں ورلڈ مسلم کانگریس کا اجلاس پاکستان میں منعقد ہوا۔ کانفرنس میں مشرق وسطیٰ اور مسلمانوں کی آزادی کی تحریکوں، خصوصاً شمالی افریقہ میں جاری تحریکوں کے حق میں قراردادیں منظور کی گئیں۔ کانفرنس میں مسلم ممالک کے درمیان ایک مشترکہ دفاع کے معاہدے کا اعلان کیا گیا جس میں یہ کہا گیا کہ کسی بھی مسلمان ملک کے خلاف ہونے والی جارحیت کو تمام اسلامی ممالک کے خلاف جارحیت تصور کیا جائے گا۔

شیخ الاسلام جناب شبیر احمد عثمانی صاحب کے 16 فروری 1952ء کو انتقال کر جانے کے بعد 15 مارچ سے 17 مارچ 1952ء تک کراچی میں ورلڈ مسلم کانگریس کی شوریٰ کا ایک اجلاس ہوا جس میں مسلم ممالک کی ایک دولت مشترکہ قائم کرنے اور تمام مسلمانوں کو اسلامی شہریت دینے کی سفارش کی گئی تا کہ ایک مسلمان کو کسی بھی اسلامی ملک میں آزادانہ آنے جانے کی سہولت حاصل ہو۔ اس کے علاوہ شمالی اور جنوبی افریقہ کے مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کے حق میں نیز فلسطین میں مسلط کی گئی صہیونی ریاست کے خلاف قراردادیں منظور کی گئیں۔

بین الاسلامی ریاستی مشاورتی کونسل

ورلڈ مسلم کانگریس کونسل کی مسلم ممالک کی دولت مشترکہ کی تجویز کے متوازی حکومت پاکستان نے کراچی میں مسلم ممالک کی ایک کانفرنس بلانے کی کوشش شروع کر دی جس کا مقصد ایک بین الاسلامی ریاستی مشاورتی کونسل قائم کرنا تھا جس کا مقصد مسلم ممالک کے درمیان تعاون کے لئے رابطے کا کام کرنا تھا مگر انتہائی کوششوں کے باوجود یہ کانفرنس منعقد نہ ہو سکی۔

1950ء میں پاکستان کے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے امریکہ کا دورہ کیا۔ چونکہ

پاکستان کو بھارتی خطرے کے خلاف امریکی امداد درکار تھی لہٰذا اس طرح امریکہ اور عالم اسلام، دونوں کے ساتھ گہرے تعلقات قائم کرنا پاکستان کی خارجہ پالیسی کا بنیادی مقصد قرار پا گیا۔ 1951ء میں لیاقت علی خان کو قتل کر دیا گیا لیکن آنے والی حکومتوں نے بھی امریکہ اور پاکستان کے تعلقات میں توازن جاری رکھا۔

اسرائیل کے قیام کے خلاف اقوام متحدہ میں پاکستان کی دلیرانہ جدوجہد اور ہر موقع پر عربوں کی حمایت کے باوجود پاکستان عربوں سے کٹ گیا تھا اس لئے کہ عرب اسرائیل کے قیام کا ذمہ دار امریکہ کو گردانتے تھے اور سمجھتے تھے کہ پاکستان امریکہ کا حاشیہ بردار بن کر عربوں اور مسلمانوں کا خیر خواہ نہیں ہوسکتا۔ 1952ء میں مصر کے انقلاب نے امریکہ اور برطانیہ کے خلاف عربوں کی نفرت کو بام عروج پر پہنچا دیا۔ مصر میں نئی حکومت نے مغرب کے سامراجی اثرات ختم کرنے کے لئے نہر سویز کو قومی ملکیت میں لے لیا جس کی وجہ سے 1955ء میں برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے مل کر مصر پر حملہ کر دیا۔ ان تمام وجوہات کی بنا پر اتحاد اسلامی کا خواب پورا نہیں ہو سکتا تھا جب تک پاکستان امریکہ کے حلقہ اثر سے آزاد نہیں ہو جاتا جبکہ پاکستان کا مخمصہ یہ تھا کہ امریکہ کی امداد اور سرپرستی کے بغیر ہو بھارتی خطرے کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ دوسری طرف ایرانی وزیر اعظم محمد مصدق کی حکومت نے برٹش ایرانین آئیل کمپنی قومی تحویل میں لے لی تھی جس کی وجہ سے ایران برطانیہ اور امریکہ کے ساتھ جھگڑے میں پھنسا رہا جو کہ 1953ء میں مصدق صاحب کا تختہ الٹنے کے ساتھ ختم ہو گیا۔

جنرل اسلامک کانگریس

1953ء میں اخوان نے یروشلم میں ایک اسلامی کانفرنس کا اہتمام کیا جس میں عالم اسلام میں غیر سطح پر اسلامی تحریکوں کے کردار کے اہمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے عراق، اردن، مراکش، پاکستان، تیونس اور ایران سے وفود نے شرکت کی۔ کانفرنس نے اپنا نام ''جنرل اسلامک کانگریس'' سے بدل کر ''المؤتمر الاسلامی العام'' رکھ لیا اور اس کا ایک اسلامی سیکرٹریٹ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کانفرنس میں فلسطین کے علاوہ دو

قرارداد یں اسلامی بلاک بنانے کے بارے میں منظور کی گئیں اور گانگریس نے مشرق ومغرب کے بڑے بلاکوں سے الگ ایک اسلامی محاذ کے لئے دستور تیار کرنے کا مطالبہ کیا۔

او آئی سی کے قیام سے پہلے کے حالات (1954-1969)

مکہ سربراہی اسلامی کانفرنس اگست 1952ء

8/اگست 1954ء کو مکہ میں سہ فریقی اسلامی سربراہی کانفرنس شروع ہوگئی۔ جس میں اسلامی ممالک کے سربراہان کے علاوہ سوڈان، ہندوستان، انڈونیشیا، شام اور عراق کے نمائندوں نے بھی شرکت کی۔ کانفرنس نے اپنا نام ''اسلامک کانگریس'' اختیار کرلیا اور جنرل سیکرٹریٹ کے لئے قاہرہ کا انتخاب کیا گیا۔ کانفرنس نے جو سیاسی فیصلے کئے ان میں اسلامی ممالک کے باہمی اتحاد کو مضبوط بنانے کا فیصلہ خاص طور پر قابل ذکر تھا۔ جس کا مقصد مشترک دشمن، یعنی مقامی اسلامی تحریکوں کے خلاف ایک دوسرے کو مدد فراہم کرنا تھا۔

26 اکتوبر 1954ء میں مصر کے صدر ناصر پر ایک قاتلانہ حملہ ہوا جس کا ذمہ دار اخوان کو قرار دیا گیا اور اس پاداش میں اخوان کے سات ارکان کو پھانسی دے دی گئی۔ اس وقت تک مختلف مسلمان ممالک میں اسلامی اتحاد کے لئے دو سطحوں پر کوشش ہو رہی تھی ایک سرکاری سطح پر اور دوسری غیر سرکاری سطح پر۔ اسی دوران بیرونی طاقتیں اپنا کام کرتی رہیں اور فروری 1955ء میں امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ جان فاسٹر ڈلس کی کوششوں کے نتیجے میں مسلمان ممالک پاکستان، ایران، عراق اور ترکی کو برطانیہ کے ساتھ شامل کر کے بغداد پیکٹ کے نام سے ایک معاہدہ وجود میں لایا گیا جس کی سرپرستی امریکہ کو حاصل تھی۔ پاکستان کی اس معاہدے میں شمولیت ایک اسلامی بلاک کے قیام کے مقصد سے صریح انحراف تھا۔

1957ء میں امریکی صدر آئزن ہاور نے اپنی نئی پالیسی کا اعلان کیا تو سعودی عرب نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی بغداد پیکٹ کے ممبران بھی اس پالیسی کی حمایت کرنے والوں میں شامل تھے۔ 1958ء میں امریکہ کی لبنان میں مداخلت سے نئی صورتحال پیدا ہوگئی۔ اسی سال عراق میں تبدیلی آگئی جس کی حکومت نے آتے ہی معاہدہ بغداد سے علیحدگی اختیار کر لی۔ حالات نے اسی طرح پلٹا کھایا کہ عالم اسلام دو ٹکڑوں میں تقسیم ہوگیا اور اتحاد اسلامی کا مسئلہ پس پشت چلا گیا۔

سعودی پیش قدمی

1964ء میں شاہ فیصل سعودی عرب کے حکمران مقرر ہوئے جن کی کوششوں سے دسمبر 1964ء میں صومالیہ میں ورلڈ مسلم کانگریس کا اجلاس ہوا جس میں کئی قراردادیں منظور کی گئیں۔اسی طرح شاہ فیصل اس کام کو لے کر آگے بڑھے اورانہوں نے مئی 1965ء میں حج کے موقع پر ورلڈ مسلم لیگ (رابطہ العالم الاسلامی) کی قانون ساز اسمبلی کے افتتاحی خطاب میں صومالی صدر کی ''اسلامی سربراہی کانفرنس'' کی تجویز کی حمایت کا اعلان کیا۔لیکن مصری صدر ناصر نے اس 'اسلامی سربراہی کانفرنس' کو اسلامی پیکٹ کا نام دے کر مسترد کر دیا اوراس کو معاہدہ بغداد کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش قرار دیا۔روسی وزیراعظم کوسی جن نے مئی 1960ء میں مصر کے دورہ کے دوران کہا کہ 'نام نہاد اسلامی اتحاد مسلمان عوام کے مفاد میں نہیں'

جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک کا اقدام

اسلامی سربراہ کانفرنس مارچ 1969ء میں انڈونیشیا میں ہوئی۔کانفرنس کا مقصد ملائشیا کے ساتھ انڈونیشیا کے جھگڑے میں بین الاقوامی طور پر انڈونیشیا کے لئے مسلمانوں کی حمایت حاصل کرنا تھی۔اس میں ہندوستان، پاکستان اور چین کے مسلمانوں نے شرکت کی جبکہ ایران، سعودی عرب اور ترکی اس سے الگ رہے۔اس کانفرنس میں چین کی وہ قرارداد منظور نہ ہوسکی جس میں امریکہ اور برطانیہ کو ''سامراجی طاقتیں'' قرار دینے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔کانفرنس کے اختتام میں انڈونیشیا کے خلاف برطانوی سامراج کی جارحیت اور جنوب مشرقی ایشیا میں مداخلت کی پرزور مذمت کی گئی۔

چھ روزہ جنگ

جون 1967ء کی چھ روزہ جنگ میں عربوں کو شکست فاش ہوئی جس کی وجہ سے پوری غزہ کی پٹی اور سینائی، شام میں گولان کی پہاڑیاں اور اُردن میں یروشلم اور پورا مغربی کنارہ اسرائیل کے قبضے میں جا چکا تھا۔1968ء میں عرب لیگ کے توسط سے خرطوم میں عرب سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں سعودی عرب اور کویت نے مصر، شام اور اردن کو مالی فراہم کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا۔یروشلم پر اسرائیل کے قبضے سے پہلے سیکولر عرب قوم پرستی اور سوشلزم کے زیر اثر اکثر

عرب ممالک مشرق وسطیٰ میں جاری محاذ آرائی کو عرب اسرائیل یا عرب صہیونی تصادم کا نام دیتے تھے مگر اب اس تصور کو برقرار رکھنا مشکل ہو گیا تھا کیونکہ مشرق وسطیٰ کے بجائے اب یہ مسلمانوں کے ایک مقدس شہر پر یہودیوں کے غاصبانہ قبضے کا مسئلہ بن گیا تھا۔ صرف پاکستان وہ واحد ملک تھا جو یروشلم کو اردن کا حصہ تسلیم کرتا تھا۔ ادھر جنگ میں شرمناک شکست کے بعد مسلمان ممالک نے بھی آپس میں تعاون کے لئے سنجیدگی سے صلاح مشورے شروع کر دئے تھے جن کے نتیجے میں جلد ہی اقوام متحدہ کے اندر ایک اسلامی بلاک تشکیل دیا گیا۔ پاکستان نے اقوام متحدہ میں مسلمان ممالک کے درمیان پیدا ہونے والے اس باہمی تعاون کو استعمال کیا اور 1968ء میں جنرل اسمبلی کے اجلاس میں یروشلم کی حیثیت کے بارے میں دو قراردادیں منظور کروالیں۔ اس کے بعد پاکستان نے سلامتی کونسل میں بھی اردن کی مدد سے یروشلم کا مقدمہ لڑا اور وہاں بھی کامیابی حاصل کی۔ یوں اس چھ روزہ جنگ میں اسرائیل کی فتح نے اتحاد اسلامی کو کوششوں میں نئے سرے سے جان ڈال دی۔

ملائشیا کی پیشکش

جنوری 1968ء میں عربوں کی شکست کے بعد ملائشیا کے صدر کی کوششوں سے اپریل 1969ء میں کوالالمپور میں اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی۔ کانفرنس میں پاکستان کی پیش کردہ دو اہم قراردادیں منظور کی گئیں۔ پہلی قرارداد میں کہا گیا کہ اس کانفرنس کے بعد ایک اور اسلامی سربراہی کانفرنس بلائی جائے جو مسلمان ممالک کو درپیش سیاسی مسائل، خاص طور پر یروشلم اور مسجد اقصیٰ کو آزاد کرانے کے مسئلے پر بحث کرے۔ دوسری قرارداد میں مسلمان ممالک کے باہمی تجارتی تعلقات کو زیر بحث لانے کا مطالبہ کیا گیا۔

1954ء کی مکہ کانفرنس کے بعد حکومتی سطح پر یہ پہلی اسلامی کانفرنس تھی۔ اس کی کامیابی سے یہ امکان پیدا ہو گیا تھا کہ اگلی کانفرنس 1969ء کے اواخر یا 1970ء کے اوائل میں منعقد ہو جائے گی۔ 1969ء کے وسط تک یہ بات یقینی نظر آنے لگی تھی کہ اسلامی اتحاد کا تصور ناممکن العمل نہیں رہا۔ چنانچہ چار ہی ماہ بعد ''دی آرگنائزیشن آف دی اسلامک کانفرنس (او۔ آئی۔ سی) کا قیام عمل میں آ گیا۔ (جاری ہے)

مسلم دورِ اقتدار اور سائنس

(ساتویں صدی سے پندرھویں صدی تک)

انجینئر مختار فاروقی

مسلم اقتدار کی سائنسی اور فنی کامیابیاں

☆ مارچ 13ء کے حکمت بالغہ میں درج مسلم دورِ اقتدار کی ایجادات کی فہرست سے ممکن ہے تمام قارئین حکمت بالغہ خود غور و فکر کر کے مسلمانوں کے سائنسی فکر اور ترقی کا کوئی ہیولہ ذہن میں نہ بنا سکیں۔ ہم یہاں بیانیہ انداز میں (الفاظ میں) اس کیفیت کا نقشہ ایک کتاب ''مسلمانوں کے عروج کی کہانی'' (مصنفہ: ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صدیقی کراچی) سے پیش کر رہے ہیں:

☆ عباسی خلفا کو حکومت کرنے کے لئے گو کہ آٹھ صدیاں ملیں مگر ان کا زمانہ فتوحات کے معاملے میں کوئی امتیاز نہیں رکھتا۔ البتہ اسے ایک دوسرے معاملے میں بہت غیر معمولی امتیاز حاصل ہے۔ ان کے زمانہ حکومت میں علمی ترقی بہت ہوئی۔ عباسی عہد حکومت میں مسلمان علم و ادب اور سائنس کے میدان میں دنیا کی سب سے بڑی سپر پاور بن گئے۔ ان کے زمانے میں یورپ پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس حقیقت کو یورپ والے بھی مانتے ہیں اور خود اپنی زبان سے اسے اپنا تاریک دور (DARK AGE) کہتے ہیں۔ ان آٹھ صدیوں میں سے شروع کی پانچ صدیوں کے دوران سائنس کی قابل ذکر ترقی صرف چین اور ہندوستان میں ہوئی مگر وہ مسلمانوں کے مقابلے میں بہت ہیچ تھی۔ (صفحہ 20)

☆ اسلامی قانون کے چار مجموعے چار فقہا نے عباسی دورِ حکومت میں مرتب کیے۔ ایک

مجموعہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب کیا، دوسرا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے, تیسرا حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اور چوتھا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے۔ان ہی کے ناموں پر یہ حنفی فقہ، مالکی فقہ، حنبلی فقہ اور شافعی فقہ کہلاتے ہیں۔ایک اور مجموعہ امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب کیا جو فقہ جعفریہ کہلاتا ہے۔دنیا کے زیادہ تر مسلمان ان ہی میں سے کسی ایک فقہ پر عمل کرتے ہیں۔ان فقہی مجموعوں میں حکومت چلانے کی قوانین بھی ہیں جو قرآن مجید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی روشنی میں بنائے گئے ہیں۔خلفا بھی ان قوانین کو مانتے اور ان پر عمل کرتے تھے حالانکہ اس زمانے کی دوسری حکومتوں میں بادشاہان کسی اور کے بنائے قانون کو نہیں مانتے تھے بلکہ خود اپنے قلم سے اور اپنی پسند سے قانون بناتے تھے تاکہ جس طرح سے چاہیں حکومت کریں بلکہ ان کی زبان ہی قانون ہوا کرتی تھی۔آج کل بھی کم وبیش اسی قسم کی رسم چلی آرہی ہے کہ حکومتیں خود ہی قانون بناتی ہیں۔اسی وجہ سے اپنی مرضی کا بناتی ہیں، ملک وقوم کی مرضی بعد کی بات ہوتی ہے۔اس لئے یہ بھی تنہا مسلمانوں کا امتیاز ہے کہ ہمارے یہاں قوانین حکمرانوں نے نہیں بنائے بلکہ فقہا نے بنائے۔(صفحہ 24)

☆ فلکیات میں ایک بہت بڑا عالم، ابوعبداللہ البتانی پیدا ہوا۔اس نے سورج، چاند اور دوسرے سیاروں کی گردش، ان کی نقل وحرکت اور سال بھر کے دوران ان کے قطر میں پیدا ہونے والی روز روز کی تبدیلیوں کا مشاہدہ کیا۔اس کا یہ کام بہت ہی محنت اور جانفشانی کا تھا۔اس لئے یورپ میں بھی اس کے کام کی بڑی قدر ہوئی اور وہاں کے مشہور ماہرین فلکیات جیسے کہ کوپرنیکس کیپلر، ٹائکو براھی اور گیلیلیو اپنے اپنے زمانے میں اس کے کام سے فائدہ اُٹھاتے رہے۔یہ لوگ یورپ میں سولہویں، سترھویں صدی میں پیدا ہوئے تھے۔

ایک اور مسلمان ماہر فلکیات ابن یونس بھی بہت مشہور ہے۔وہ ماہر فلکیات تو تھا ہی، ماہر نجوم بھی تھا، نجوم میں اس کی مہارت کے بارے میں کیمبرج ہسٹری آف سائنس کے مصنف نے لکھا ہے کہ ابن یونس نے اپنے اس علم کے ذریعے اپنی وفات کی تاریخ ہفتہ بھر پہلے معلوم کرلی تھی اور ٹھیک اس دن اس نے انتقال کیا۔(صفحہ 25)

☆ ریاضی میں اور بھی زیادہ ماہرین پیدا ہوئے۔ان لوگوں نے ریاضی کی مختلف شاخوں میں ایسے ایسے کام کر دکھائے کہ یورپ والے ریاضی کو مسلمانوں کا ''اعلیٰ ترین ورثہ'' کہتے ہیں۔ان

میں سے ایک شخص الخوارزمی ہے۔اس نے الجبرا کو زندہ کیا اور اسے اتنی ترقی دی کہ اب اس مضمون کو لوگ اس کی ایجاد سمجھتے ہیں۔خوارزمی کے بعد کم سے کم صدی بھر تک الجبرا میں اتنا بڑا آدمی کہیں پیدا نہیں ہوا۔ریاضی میں مسلمان حکما کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے یورپ میں ان کے یہاں کے رومن ہندسوں کی جگہ پر موجودہ ہندسے ۱، ۲، ۳ وغیرہ رائج کرائے۔رومن ہندسوں کا یعنی I, II, III وغیرہ کے ذریعے جمع تفریق ضرب اور تقسیم وغیرہ ممکن نہ تھی جبکہ ان کے رائج کرائے ہوئے ہندسوں کے ذریعے بڑے سے بڑا حساب بھی آسان ہوگیا۔اہل یورپ مسلمانوں کے اس احسان کو مانتے ہیں۔اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ آج بھی انہیں عربی ہندسے کہتے ہیں حالانکہ مسلمان یہ ہندسے ہندوستان سے لائے تھے، وہ حقیقت میں ہندی ہندسے ہیں۔(صفحہ 25)

☆ سترھویں صدی عیسوی میں یورپ میں جب تعلیم کا چرچا عام ہوا تو لوگ اس کی کتابیں بڑے ذوق وشوق سے پڑھنے لگے۔طبیعیات اب تو سائنس کی بہت اہم شاخ بن چکی ہے، پہلے لوگ اس کی اہمیت سے ذرا واقف نہ تھے۔اسے اہمیت کے لائق ابن الہیثم نے بنایا۔اس نے روشنی اور بصارت یعنی بینائی پر زبردست تحقیقی کام کیا جس کی وجہ سے یورپ والے اسے بابائے بصریات کہتے ہیں اور امریکہ والے اسے طبیعیات کی تاریخ کے گیارہ عظیم ترین ماہرین میں شامل کرتے ہیں۔اس کا بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے آنکھ کے اندر پائے جانے والے عدسے کا فعل معلوم کیا۔اس کا فائدہ یہ ہوا کہ اس کی بنیاد پر آگے چل کر عدسے کے ذریعے خوردبین اور دوربین ایجاد کی گئی۔اسی وجہ سے انگلستان کے ایک سائنس دان جے۔ڈی۔برنال نے لکھا ہے کہ مسلمان حکما طب میں کوئی اور کام نہ بھی کرتے تو آنکھ اور اس کے عدسے کے فعل کی دریافت طب میں مسلمانوں کی خدمات کو ماننے کے لئے بہت ہوتی۔روشنی کے انعطاف (رفریکشن) کے بارے میں اس نے جو قانون دریافت کیا اسے سترھویں صدی کے طبیعیات دانوں کپلر اور ڈیکارٹ نے بھی استعمال کیا۔(صفحہ 25)

☆ جہاز رانی میں مسلمان ملاحوں نے جو ترقی دکھائی اسے آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ ان لوگوں نے رومی بحریہ کے مقابلے میں دو ہزار جنگی کشتیوں کا بحری بیڑہ بنایا تھا اور ان کے آتش یونان کا توڑ کرنے کے لئے ایک آتش گیر روغن تیار کرلیا تھا جس کے خوف سے اہل روم اپنی

کشتیوں کو چھپائے پھرتے تھے۔ وہ خود اپنے سمندر یعنی بحیرۂ روم میں بیٹھ کر اپنی کشتیاں چلانے کی ہمت کھو بیٹھتے تھے۔ جہاز رانی کا شوق مسلمانوں میں جب اور بڑھا تو وہ تجارت کی غرض سے اور تبلیغ دین کی خاطر دور دور کے سمندروں کا سفر کرنے لگے۔ اس زمانے میں سمندر کا سفر بہت خطرناک ہوا کرتا تھا کیونکہ راستہ اور سمتیں معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ کوئی جہاز اگر بھٹک جاتا تو اسے خیریت سے واپس آنا کم ہی نصیب ہوتا تھا۔ مصر کے ایک مسلمان جغرافیہ داں بیلک قجاقی نے مقناطیسی لوہے سے قطب نما بنایا اور اسے جہازوں پر نصب کرادیا۔ مقناطیسی لوہا' جیسا کہ آپ جانتے ہوں گے شمال' جنوب کی سمتیں بتاتا ہے اس لئے اس سوئی کو نصب کرنے سے ملاح سمندر میں سمتیں معلوم کرنے کے لائق ہوگئے۔ پھر تو یہ ہوا کہ وہ سمندر میں دور دور تک آنے جانے لگے۔ ان کے مقابلہ پر یورپ کے ملاح سمندر راستوں کے بارے میں بہت ہی ناقص معلومات رکھتے تھے۔ اس وجہ سے یہ ہوا کہ کولمبس 1492ء میں اسپین سے ہندوستان دریافت کرنے نکلا اور بھٹک کر امریکہ پہنچ گیا۔ اس کے چھ برس بعد پرتگال کا سیاح واسکوڈی گاما، ہندوستان دریافت کرنے نکلا تو وہ بھی راستہ بھٹک گیا۔ راستے میں اسے مسلمان ملاح ملے جو ہندوستان سے آرہے تھے۔ ان لوگوں نے اسے راستہ بتایا جب وہ ہندوستان پہنچ سکا۔ انٹونی کام لکھتا ہے کہ واسکوڈی گاما نے ان میں سے ایک مسلمان ملاح کو جس کا نام احمد بن مجید تھا، راستہ بتانے کے لئے اپنے جہاز میں سوار کرالیا تھا۔ آگے چل کر یورپی جہاز رانوں نے بھی اپنے جہازوں میں قطب نما کی سوئی لگالی اس کی وجہ سے وہ بھی دور دور تک آنے جانے کے لائق ہوگئے۔ جہاز رانی میں ترقی کی وجہ سے مسلمانوں کے عروج کے زمانے میں جغرافیہ میں بھی بڑی ترقی ہوئی اور مسلم دنیا میں بڑے بڑے جغرافیہ داں پیدا ہوئے۔ ان میں سے ایک نامور شخص الادریسی تھا۔ وہ 1100ء میں مراکش میں پیدا ہوا تھا۔ وہ جغرافیہ کے نقشے بنانے میں ماہر تھا۔ اس کی اس خوبی کی وجہ سے یورپ کے ملک سسلی کے بادشاہ راجر دوئم نے اسے اپنے یہاں بلایا اور اس سے فرمائش کی کہ وہ دنیا کا نقشہ بنادے۔ الادریسی نے فرمائش کی تعمیل میں چاندی کی ایک بہت بڑی چادر پر ملکوں اور شہروں کی حدود کے نقوش ابھار کر وہ نقشہ بنادیا۔ اس نے 1166ء میں وفات پائی۔ (صفحہ 26)

☆ طب میں بھی مسلمانوں نے بڑا نام کمایا۔ رازی، ابن سینا، زہراوی اور ابن رشد کے

نام شاید آپ نے بھی سن رکھے ہوں۔ ان لوگوں نے طب میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیے۔اس لئے ان کی کتابیں یورپ میں بھی بہت مشہور ہوئیں۔ان کی مقبولیت کا اندازہ اس سے کیجیے کہ وہاں کے ڈاکٹر اور میڈیکل کے طلبا ان کی کتابیں جو عربی زبان میں ہوتی تھیں پڑھنے کے لئے عربی زبان سیکھتے تھے۔ بعد میں وہ لوگ ان کی کتابوں کے اپنی زبانوں میں ترجمے کرانے لگے۔خود یورپی مصنّفین کہتے ہیں کہ ان کی کتابیں اسپین، اٹلی، سسلی اور یورپ کے دوسرے ملکوں کے میڈیکل کالجوں میں سترھویں صدی عیسوی تک پڑھائی جاتی رہیں۔ یورپ کے ایک بہت نامور مؤرّخ ٹائن بی نے اپنی مشہورِ زمانہ کتاب اے اسٹڈی آف ہسٹری میں ابن سینا کا بنایا ہوا انسانی جسم کے اندرونی اعضاء کا ایک نقشہ چھاپا ہے اور اس کے نیچے لکھا ہے کہ یہ نقشہ یورپ کے میڈیکل کالجوں میں سترھویں صدی تک پڑھایا جاتا رہا۔ایک اور مسلمان طبیب ابن نفیس دمشقی کی بھی یورپ میں بڑی دھاک بیٹھی جب اس نے دورانِ خون کے بارے میں مشہور یورپی طبیب جالینوس کے نظریے کو غلط ثابت کیا۔امریکی مصنّفین کی لکھی ہوئی کتاب اے ہسٹری آف سائنٹفک بائیوگرافی کی نویں جلد میں لکھا ہے کہ ابن نفیس کی وہ کتاب کیلی فورنیا یونیورسٹی امریکہ کے میوزیم میں محفوظ ہے۔(صفحہ 26)

☆ مسلمانوں نے یورپ والوں کو صرف علم کا تحفہ نہیں دیا بلکہ انہیں تہذیب یافتہ بھی بنایا۔ اہل یورپ نے رہن سہن کے طریقے، صفائی ستھرائی، فن تعمیر، علاج معالجہ وغیرہ مسلمانانِ اسپین کے ذریعے سیکھا۔اس وقت یورپ کا حال بہت برا تھا۔آکسفورڈ ہسٹری پروجیکٹ نامی کتاب کا انگریز مصنف پیٹر موس لکھتا ہے کہ دیہات تو دیہات شہروں تک کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔تنگ تنگ سڑکیں، زیادہ تر کچی، ان پر جگہ جگہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر، چھوٹے چھوٹے مکانات۔ علاج معالجے کی سہولتوں کا فقدان، خوراک معمولی۔ وہ لوگ نہانے کے بھی عادی نہ تھے، برسوں میں نہایا کرتے۔ چوری، ڈکیتی، قتل وغارت گری عام تھا۔ پولیس کا وہاں رواج نہ تھا۔یہی مصنف لکھتا ہے کہ اسپین پر حکومت قائم کرنے کے بعد ''مسلمانوں نے اسے یورپ کا سب سے متمدن ملک بنادیا۔'' کشادہ سڑکیں بنوائیں، ان پر روشنیوں کا انتظام کیا، ہوادار اور روشن مکانات بنوائے۔ یونیورسٹیوں قائم کیں۔ان سب باتوں کی وجہ سے یورپ والے اس کی طرف کھنچنے لگے۔وہ جوق

درجوق اسپین آتے۔ یہاں تعلیم حاصل کرتے۔تہذیب سیکھتے اور پھر اپنے ملکوں میں واپس جا کر انہیں بھی ویسا ہی بنانے کی کوشش کرتے۔اسپین کے شہر قرطبہ کی مسجد اور غرناطہ کا شاندار محل الحمراء آج بھی موجود ہیں اور مسلمانانِ اسپین کی عظمت کی گواہی دے رہے ہیں۔(صفحہ :30)

☆ مصنف چند مثالیں بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

.....یہ سب مثالیں اس بات کی دلالت کرتی ہیں کہ ہمارا علمی عروج ہمارے لئے ہمارے سیاسی عروج سے بھی زیادہ نافع بنا۔ جہاں جہاں سے ہمارا سیاسی غلبہ ختم ہو چکا ہے، وہاں وہاں بھی ہمارا علم اور ہماری تہذیب اپنا جلوہ دکھا رہی ہے۔ ہمارے اس خیال کی تائید میں غیر مسلم مؤرّخین کی آرا بھی موجود ہیں۔ مثلاً کتاب کیمبرج ہسٹری آف سائنس کا مصنف کولن رونان اسلامی تہذیب کی عظمت کا اعتراف نہایت فراخدلی سے ان الفاظ میں کرتا ہے کہ اسلامی تہذیب کا سنہرا دور بنواُمیہ کے دور کی اسلامی فتوحات کا سلسلہ تھم جانے کے بعد شروع ہوا۔(صفحہ:34)

ان تفصیلات سے یہ عیاں ہے کہ مسلم اقتدار کی سات صدیاں (750ء_1450ء) کس طرح ہند، ایران اور سب سے زیادہ یورپ کو متاثر کر گئیں۔ یورپ پہلے دورِ جہالت (DARK AGES) میں تھا اسی لئے اس سائنسی ترقی کا سب سے زیادہ فائدہ اُسے ہی پہنچا مگر افسوس کہ اسلام اور مسلمانوں سے علمی ترقی اور سائنسی عروج کی برکات سمیٹنے کے باوجود یورپ کے مسیحی مؤرّخین اور اہل علم و دانش نے انتہا درجے کی تنگ نظری کا مظاہرہ کیا اور اپنے دور میں گزشتہ کئی صدیوں سے مسلمانوں کی کردار کشی ہی کو اپنا وطیرہ بنا لیا اور آج تک بنائے ہوئے ہیں۔

بنی اسرائیل (یہود) سپین میں

بنی اسرائیل کو اپنی خدا ناشناس، وحی بیزار اور دین دشمن رویوں کی وجہ سے ایک سے زیادہ مرتبہ سزا ملی۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لانے کی پاداش میں اور ان کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی کی وجہ سے 70ء میں انہیں ٹائٹس رومی (TITUS) کے ہاتھوں عبرت ناک رسوائی اور جلاوطنی کا سامنا کرنا پڑا۔اس وقت ان کو یروشلم سے نکال دیا گیا کہ وہاں داخل بھی نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد یہ دنیا میں اپنے سابقہ تجارتی رابطوں کی بنیاد پر پھیل گئے۔اس دور کو وہ اپنا دورِ انتشار (DIASPORRA) کہتے ہیں۔مسلم سپین میں بھی یہود آ کر آباد ہوئے اور صدیوں بڑے سکھ

چین سے رہے اس لئے کہ مسلم سپین سے باہر مسیحی یورپ میں یہودیوں کے ساتھ ان کی ذہنیت اور طرزِ عمل کی وجہ سے بہت برا سلوک کیا جاتا تھا۔ مسلمانوں نے انہیں عزت دی اور برداشت کیا۔ اس دور میں اس پرسکون ماحول میں صدیوں وہ مستقبل کے نقشے بناتے رہے اس سلسلے میں بنی اسرائیل کے شاعر، ادیب اور مؤرّخ سپین کے مسلم عہد کو یہود کا سنہری دور کہتے ہیں۔

☆ سپین میں عیسائی اور یہودی مسلم دورِ اقتدار میں بڑے خوش اور مطمئن رہے یہودی گزشتہ نصف صدی سے خصوصی طور پر سپین سے تعلقات بڑھانے کے لیے کوشاں ہیں اور اپنے مسلم عہد (آٹھویں سے پندرھویں صدی) کی یادوں کو تازہ کرنا چاہتے ہیں۔ 2008ء میں امریکہ سے یہودیوں پر مشتمل ایک سٹڈی ٹور سپین (غرناطہ، طیلطہ) گیا تھا اس کے بروشر سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔ اس مشن کا نام ہے:

The Jews of Spain (The Jewish Theological Seminary Mission to Southern Spain May 18–29, 2008)

"From Roman times to 1492, the Jewish community in Spain was home to an unusual Jewish culture, combining features of northern European talmudism, Arabic poetry, philosophy and science, and the Kabbalah."

''رومن دور حکومت (400ء) سے (800 سالہ مسلم دور اقتدار میں) 1492ء تک یہودی قوم کے لیے سپین (مثالی امن وسکون اور خوشحالی کے باعث) شمالی یورپ کے اثرات کے ساتھ اپنی مخصوص ثقافت، تالمود کے فروغ، عرب شاعری، فلسفہ اور سائنس کے علاوہ 'قبالہ' کے عروج کے لحاظ سے ایک گہوارہ رہا ہے۔''

"Spain was also the most bountiful producer of Hebrew poetry in the Golden Age of Hebrew literature and a place where Jewish community leaders and rabbis wrote poetry of love, wine drinking, and friendship, as well as poem-prayers to be used in the synagogue."

''عبرانی لٹریچر کے دورِعروج میں (مسلم) سپین عبرانی شاعری کو کثرت سے ترویج دینے والا ملک تھا جس میں یہودی لیڈر اور ماہر علم وقانون (امن اور خوشحالی کے باعث) عشقیہ شاعری کرتے تھے، شراب نوشی کرتے تھے، دوستیاں بڑھاتے تھے اور اپنی مذہبی عبادت گاہوں میں دعائیہ نظمیں بھی پڑھتے تھے۔''

"Our trip will take us to sites of Jewish creativity under medieval Islam and through paths of tragedy and expulsion. En route we will visit medieval castles, mikva'ot, and synagogues as we learn about the Golden Age of Spain, the distinctiveness of Sephardic Jewish history, and the heroic personalities who assured Sephardic creativity and survival."

''ہمارا یہ دورہ (دورِحاضر کی ترقی اور رومی دورحکومت کے مابین) مسلم عہد اقتدار میں اسرائیلی تخلیقات اور ایجادات کے نشانِ راہ دکھائے گا اور تباہی اور جلاوطنی کے وہ مقامات بھی (جہاں بعد میں عیسائیوں کے دورحکومت میں ہمیں مظالم کا نشانہ بنایا گیا)۔اس دورے میں ہم قرون وسطی کے قلعہ "MIKVAOT" اور اپنی (قدیم) عبادت گاہیں بھی دیکھیں گے جس سے ہمیں نہ صرف (مسلم دوراقتدار میں) اپنے سنہری دورِعروج کے بارے میں معلومات حاصل ہوں گی بلکہ سپین میں اسرائیلی روایات کی انفرادیت اور اپنی عظیم تاریخی شخصیات کا بھی علم ہوگا جو (مسلم) سپین میں ملکی استحکام اور سائنسی ایجادات کا باعث بنیں۔''

بنی اسرائیل یورپ میں رومی عہد سے ہی رہ رہے تھے اور تجارت پیشہ ہونے کی بنا پر 1800 ق م سے ہی عالمی تجارت میں مؤثر کردار رکھتے تھے۔ بنی اسرائیل اپنی مخصوص ذہنیت کے باعث یورپ میں مختلف مواقع پر کئی ملکوں سے نکالے گئے۔ 1290ء میں 200 یہودی خاندانوں کو انگلینڈ سے نکالا گیا تو سپین نے انہیں اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ (یہود کو انگلینڈ میں 1650ء میں سقوطِ غرناطہ کے بعد دوبارہ اجازت ملی۔)

اس سب کے باوجود یہود اس شاندار پرسکون دور میں بھی اپنے سابقہ دشمن مسیحی یورپ اور مسلمانوں کو ایک دن کے لئے بھی بھلا نہیں سکے۔ چنانچہ سپین میں مسلم زوال کے دیگر اسباب کے متوازی 'یہود' کا عمل دخل بھی شامل ہے۔

ضمناً یہاں یہ بھی درج کرنے سے ان شاء اللہ قارئین حکمت بالغہ کے علم میں اضافہ ہوگا اس عرصے میں مسلم زوال کے دوران اور مسلم زوال کے فوراً بعد یہود اور مسیحی یورپ کے باہمی تعلقات کس درجہ کشیدہ تھے۔ اس کی تفصیلات بڑی روح فرسا ہیں۔

☆ 1492ء میں سقوطِ غرناطہ کے ساتھ ہی سپین میں مسلمانوں کے آٹھ سو سالہ اقتدار کا سورج غروب ہوگیا۔ اس سے قبل کے پچاس سال کا عرصہ بھی مسلم اقتدار کے لئے 'بستر مرگ' کی سی کیفیت والا تھا۔

☆ مسلم اقتدار کے خاتمے سے پہلے جو علاقے یورپ کے مسیحیوں نے مسلمانوں سے چھین لیے ان میں بھی اور غرناطہ کی فتح کے بعد بھی مسلمانوں کے لئے تین راستے تھے:

(i) یا عیسائیت قبول کرلیں۔ یا (ii) کشتیوں میں بھر کر افریقہ کے ساحلوں پر بے سروسامان اُتار دینا۔ یا (iii) موت

☆ یہودیوں کے ساتھ بھی نہ معلوم کیوں مسیحیوں نے یہی سلوک کیا۔ مسلمانوں کے خلاف تو مسیحی جذبات انتقامی ہو سکتے تھے (اگرچہ مسیحی وہاں بڑے خوش تھے) تاہم یہود کے خلاف بھی یہی تین شرائط والی بات حیران کن تھی۔ ہم اس بات کے ثبوت کے لئے پرانے حوالے اکٹھے کر ہی رہے تھے کہ ہمیں عرب دنیا کے ایک اخبار میں یورپ کی ایک خبر مل گئی جس سے آج سے پانچ صدیاں قبل کی کیفیات کو چشم تصور میں لانا آسان ہوگیا ہے اور وہ بھی خود مسیحی یورپ اور سپین کے عیسائیوں کے زبانی سنیے۔

☆ سپین کے یہود کے بارے میں ایک ویب سائٹ پر مسلم عہد کو یہود کا سنہری دور (GOLDEN AGE) قرار دیا گیا ہے۔ اس کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

(www.jewishgen.org/sefardsig/seph_who.htm)

The Ummayad dynasty that rules Moorish Spain for the next century, and most, but not all subsequent

Moorish rulers, maintained a tolerant and multicultural atmosphere that respected and protected minorities, encouraged science and the arts and invited scholars from all over to come and serve the Caliph. Flowery poetry and the arts, in Arabic and Hebrew, flourished and were recited in the langorous evening wine-parties while the sciences prospered as never before."

''خاندان بنوامیہ جس نے سپین پر صدیوں حکومت کی اور جہاں ہمیشہ نہ سہی بلکہ اکثر حکمرانوں نے مسلمانوں کے ساتھ دیگر (غیر مسلم) اقوام کو بھی برداشت کیا بلکہ کثیر الثقافتی ماحول پیدا کیا اور (غیر مسلم) اقلیتوں کا احترام اور حفاظت کی انہوں نے سائنسی علوم اور (صحت مند) آرٹس کو ترقی دی اور ہر چہار طرف سے علماء و سائنسدان بلا کر ریاست کی خدمت میں لگایا۔ جہاں (امن وسکون کی وجہ سے) شاعری اور شبانہ محفلیں سجتی تھیں عربی اور عبرانی میں شاعری ہوتی اور (یونانی اور رومی دور سے بدرجہا بہتر) سائنسی ترقی ہوئی۔''

"Algebra was invented. Arabic numbers replaced the unwieldy Roman numerals. Paper was manufactured for the first time. Immense libraries developed and were open to the public. Cordoba had a million volumes at a time when the largest library in Europe had a dozen manuscripts."

''الجبرا ایجاد کیا گیا۔ بے ہنگم رومن ہندسوں کی جگہ عربی ہندسوں نے لے لی۔ پہلی دفعہ کاغذ تیار کیا گیا۔ بڑی بڑی لائبریریاں بنائی گئیں اور ان کو عوام کے لئے کھول دیا گیا۔ قرطبہ کی لائبریری میں ایک وقت میں دس لاکھ کتابیں تھیں جبکہ یورپ کی سب سے بڑی لائبریری میں صرف درجن بھر نسخے موجود تھے۔''

"A striking example was Hasdai ibn Shaprut. He was a famous Jewish physician who rose to

become personal physician and chief advisor to the Caliph and his chief tax collector. Becoming very wealthy, he was very charitable, founded rabbinical institutes, purchased Talmuds, built synagogues, etc. He also recruited 2 scholars from Morrocco to expand the Hebrew language and develop its structure,, which permitted its use in science and in the wonderful Jewish poetry of Spain."

''ایک اور بڑی مثال حسدی ابن شاپروٹ کی ہے۔ وہ ایک بڑا مشہور یہودی معالج تھا جو کہ خلیفہ کا ذاتی معالج اور مشیر خاص بن گیا تھا اور وہ چیف ٹیکس کلیکٹر تھا۔ امیر ہونے کی وجہ سے وہ بہت خیرات دیتا تھا۔ اس نے کئی خیراتی ادارے بنائے، تالمود خریدی، عبادت گاہیں بنوائیں۔ اس نے مراکش سے دو علماء بھی بلوائے تا کہ عبرانی زبان کی تدوین ہو سکے اور اس کو پھلایا جا سکے جو بعد میں سائنس اور سپین کی یہودی شاعری میں استعمال ہوئی۔''

"Jewish refugees fleeing persecution in Christian Europe flocked to Spain much as they did to the USA in our day. Even educated Christian scholars seeking erudition moved to tolerant Spain, some even converting to Judaism. In the 8th and 9th centuries thousands of Jews from Morocco and Egypt migrated to Al Andalus."

''یہودی مہاجرین عیسائی یورپ کے مظالم سے فرار ہو کر سپین پہنچے لگے۔ جیسا کہ انہوں نے آج کل کے دور میں امریکہ کے ساتھ کیا ہے۔ حتیٰ کہ پڑھے لکھے علماء نے سپین جانا شروع کیا اور ان میں سے کچھ یہودی ہو گئے۔ آٹھویں اور نویں صدی میں مراکش اور مصر کے ہزاروں یہودی اندلس ہجرت کر گئے۔''

"Actively engaged in trade Spanish Jews were the main Andalusian importers-exporters of silk,leather, textiles, grain, fruit spices and cattle. Jewish

travellers such as Benjamin of Tudela left records of travels even more extensive than Marco Polo's, reaching China a century before him. Communication and interchange with Jewish areas throughout the Mediterranean was profuse all the way from North Africa to Baghdad and Damascus as well as the Ashkenazi centers as evidenced by the documents found in the Cairo geniza."

''تجارت میں عملی طور پر منہمک سپینی یہودی، ریشم، چمڑہ، کپڑا، اناج، پھل، مصالے اور جانوروں کے، اندلس کے بڑے عالمی تاجروں میں سے تھے۔ یہودی سیاح جیسا کہ بنجامین نے اپنی سیاست کا حال مارکو پولا سے زیادہ وسیع انداز میں بیان کیا ہے جو کہ اس سے ایک صدی قبل چین پہنچا تھا۔ بحیرۂ روم کے ساتھ یہودی علاقوں کے ساتھ بات چیت اور تبادلہ'' شمالی افریقہ سے بغداد اور دمشق سے بھی آگے کوہِ قاف تک (جیسا کہ قاہرہ سے ملنے والے کتبات سے ظاہر ہے) بہت عام تھا۔''

گزشتہ نصف صدی سے سپین اور اسرائیل کے تعلقات میں بے حد اضافہ ہوا ہے اور باہمی غلط فہمیاں ختم ہوگئیں ہیں یہاں تک کہ اب سپین کی حکومت نے چند ماہ قبل یہود (بنی اسرائیل) کو اپنے ہاں آباد ہونے کی پیشکش کی ہے۔ یقیناً یہ پیش کش کچھ بناوٹی ردّوکدح کے بعد قبول کر لی جائے گی۔۔ سپین کے مسلم عہد اقتدار میں تو عیسائیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا گیا تھا۔ کیا موجودہ سپین کی حکومت نے 1992ء میں نکالے گئے مسلمانوں کی اولادوں کو بھی دوبارہ سپین آ کر آباد ہونے کی پیشکش کی ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟۔

مندرجہ بالا اقتباسات اور ان کے ترجمے سے یہ بات واضح ہے کہ یورپ کے عیسائیوں اور یہود (بنی اسرائیل) کے درمیان 1492ء کے لگ بھگ تعلقات کی نوعیت کیا تھی؟ گزشتہ صدیوں میں ان میں کیا نشیب و فراز آئے ہیں اور اب اکیسویں صدی میں بات کہاں تک پہنچ گئی ہے۔ کشیدہ تعلقات میں اگر کمی آئی ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا مسیحی یورپ اور سپین کے

لوگوں نے سپین کے مسلمانوں کی اولادوں (مراکش، الجزائر وغیرہ میں آباد) کو بھی اسی طرح سپین (اُندلس) واپسی کا موقع دیا ہے؟ اور نہیں دیا تو کیوں؟

صاف ظاہر ہے کہ مسیحی یورپ سپین سے نکالے گئے مسلمانوں کو وہاں دوبارہ آبادکاری کا موقع کبھی نہیں دے گا۔ ہمیں یہاں صرف یہود کے طرزِ عمل پر افسوس کرنا ہے کہ مسلم سپین میں مسلمانوں نے بنی اسرائیل پر احسانات کیے، اعلیٰ منصب دیے، ترقی کے مواقع فراہم کیے اور اُنہوں نے آٹھ صدیاں سکون سے گزاریں۔ ان کے ادیب، شعراء اور زعماء اپنے لٹریچر میں خود اس کے گواہ ہیں جبکہ مسیحی یورپ نے یہود کو قتل کیا، لوٹا، مار بھگایا اور دین بدلنے کے لئے زور ڈالا۔

ذرا ـــــ انصاف کی نظر سے دیکھیں تو یہود (بنی اسرائیل) کو ذہناً مسلمانوں کے زیادہ قریب ہونا چاہئے یا مسیحیوں کے۔ عقل، اخلاق، فطرت اور منطق کا تقاضا ایک ہے اور بنی اسرائیل (یہود) کا طرزِ عمل دنیا بھر کے مسلمانوں سے دوسرا ہے ع ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے۔

سپین میں مسلم اقتدار کے خاتمے سے یورپ کے مغرب میں مسلم عظمت وسطوت کا سورج غروب ہوا تو دوبارہ ظلم و بربریت کا دور دورہ ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سانحہ سے نصف صدی قبل ہی یورپ کے مشرق میں رومی سلطنت کے خاتمے پر سلطنت عثمانیہ کا عدل وانصاف و مساوات کا سنہرا دور شروع کرادیا تھا اور مسلمان فرانس کے قلب تک پہنچ گئے تھے۔

پہلے یورپ کے مغرب کو اسلام کی تعلیمات اور مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاق اور خوبصورت رویوں نے منور کیا بعد میں پندرھویں صدی میں یورپ کا مشرقی نصف حصہ اسلام کے زیرِ نگین آ گیا تھا اور انسانیت ماضی کے وحشیانہ، ظالمانہ اور سفاکانہ جاہلی دور (DARK AGES) سے نکل کر علم و آگہی، روشنی، خدا شناسی، تہذیب، تمدن، عدل و انصاف بھائی چارہ اور احترامِ باہمی کی اقدار کا بچشم سر مشاہدہ کر رہی تھی۔ مشرق سے اُبھر کر مسلم اقتدار کے سورج کی روشنی نے یورپ کو کیا کچھ دیا یہ ایک طویل باب ہے۔ (جاری ہے)

ولادتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

سیف بن ذی یزن حمیری کی شہادت

حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی

(ماخوذ از ماہنامہ صدائے فاروقیہ شجاع آباد، فروری 2012)

ابونعیم اور بیہقی روایت کرتے ہیں کہ جب سیف بن ذی یزن حمیری نے حبشہ والوں پر غلبہ پا کر تختِ یمن پر قبضہ کر لیا اور اپنی آبائی سلطنت کو غاصب کے پنجہ سے نکال لیا (یہ واقعہ سیّدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے دو سال بعد ہوا ہے) تو اہل عرب کے وفد اور شعراء عرب مبارکباد دینے کے لئے ہر سمت سے اس کے پاس آنے شروع ہوئے، کیونکہ سلطنت یمن اصل میں قبیلہ حمیر کے ہاتھ میں تھی پھر حبشہ والوں نے ان سے چھین کر اپنا غاصبانہ قبضہ جما لیا تھا اور ستر سال تک وہ اس پر قابض رہے ستر سال کے بعد سیف بن ذی یزن حمیری نے سلطنت یمن کو اہل حبش کے قبضہ سے نکالا اور اپنے آبائی دستور کے موافق اس پر متمکن ہو گیا اس کی مبارکباد دینے کے لئے عرب کے جو وفد ہر جانب سے آ رہے تھے ان میں ایک وفد قریش کا بھی تھا، جس میں عبدالمطلب، اُمیہ بن عبدشمس اور اکثر شرفاء و رؤساء مکہ موجود تھے۔ سیف بن ذی یزن کو اس وفد کی اطلاع دی گئی اس نے ان کو اندر آنے کی اجازت دی اس وقت بادشاہ سونے کے تخت پر جلوہ افروز تھا اور یمن کے شرفاء اور حمیر کے شہزادے اس کے گرد سونے کی کرسیوں پر بیٹھے تھے اس وفد کے لئے بھی سونے کی کرسیاں پیش کی گئیں جن پر عبدالمطلب کے علاوہ اور سب بیٹھ گئے عبدالمطلب نے بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر گفتگو کی اجازت چاہی، بادشاہ نے کہا کہ اگر تم سلاطین کے سامنے گفتگو کرنے کی قابلیت رکھتے ہو تو ہماری طرف سے تم کو اجازت ہے۔ عبدالمطلب نے فی البدیہ اس

طرح گفتگو شروع کی:

اِنَّ اللّٰہَ، عَزَّ وَجَلَّ، أَحَلَّكَ أَيُّهَا الْمَلِكُ مَحَلًّا رَفِيْعًا شَامِخًا بَاذِخًا مَنِيْعًا وَأَنْبَتَكَ نَبَاتًا طَابَتْ أُرُومَتُهُ، وَ عَظُمَتْ جُرثُومَتُهُ، وَثَبَتَ أَصْلُهُ وَبَسَقَ فَرْعُهُ، فی أَطْيَبِ مَوْضِعٍ وَأَكْرَمِ مَعْدِنٍ، وَأَنْتَ أَبَيْتَ اللَّعْنَ مَلِكُ الْعَرَبِ الَّذِی لَهُ تَنْقَادُ، وَعَمُودُهَا الَّذِی عَلَيْهِ الْعِمَادُ، وَمِعْقِلُهَا الَّذِی يَلْجَأُ اِلَيْهِ الْعِبَادُ، سَلَفُكَ خَيْرُ سَلَفٍ، وَأَنْتَ لَنَا مِنْهُمْ خَيْرُ خَلَفٍ فَلَنْ يَهْلِكَ ذِكْرُ مَنْ أَنْتَ خَلَفُهُ، وَلَنْ يَخْمُلَ ذِكْرُ مَنْ أَنْتَ سَلَفُهُ۔ نَحْنُ أَهْلُ حَرَمِ اللّٰهِ تَعَالَی وَسَدَنَةُ بَيْتِ اللهِ، أَشْخَصَنَا اِلَيْكَ الَّذِی أَبْهَجَنَا مِنْ كَشْفِكَ الْكَرْبَ الَّذِی فَدَحَنَا، فَنَحْنُ وَفْدُ التَّهْنِئَةِ لَا وَفْدُ الْمَرْزَأَةِ

اے بادشاہ! خدائے عزوجل نے حضور کو بہت بلند عالی اور مستحکم مرتبہ عنایت کیا ہے اور ایسے خاندان میں پیدا کیا ہے جس کی اصل دراز اور عظیم الشان ہے جڑ مضبوط اور شاخیں لمبی ہیں آپ پاکیزہ جگہ اور عمدہ معدن میں پیدا ہوئے ہیں اور خدا آپ کو ہر عیب سے بچائے آپ ہی عرب کے ایسے بادشاہ ہیں جس کی وہ اطاعت کر سکتے ہیں اور ایسے ہی عرب کے لئے مستحکم ستون ہیں جس پر وہ اعتماد کرتے ہیں اور آپ ایسی جائے پناہ ہیں جہاں بندے پناہ لیتے ہیں آپ کے سلف (بڑے) بہترین سلف ہیں اور آپ ہمارے اندر ان کے بہترین خلف (جانشین) ہیں پس جن کے خلف (جانشین) آپ ہوں ان کا نام ہلاک نہیں ہوسکتا اور جن کے بزرگ آپ ہوں وہ کبھی گمنام نہیں ہوسکتے۔ ہم حرم خداوندی کے رہنے والے اور اس کے گھر کے خادم ہیں ہم کو آپ کے پاس وہ خوشی کھینچ کر لائی ہے جس نے گرانبار مصیبت کے زائل ہونے کے بعد ہم کو مسرور کیا ہے پس ہمارا وفد مبارکباد کا وفد ہے تعزیت کا وفد نہیں ہے۔

سیف بن ذی یزن:۔ اے بولنے والے شخص تو کون ہے؟

عبدالمطلب:۔ میں عبدالمطلب بن ہاشم ہوں۔

سیف بن ذی یزن:۔ آہا! تم تو ہمارے بھانجے ہو (یہ بات سیف بن ذی یزن نے اس لئے کہی کہ عبدالمطلب کی ماں قبیلہ خزرج سے ہیں اور قبیلہ خزرج اصل میں یمن کا باشندہ اور سیف بن ذی یزن کا قرابت دار ہے۔)

عبدالمطلب:۔ بے شک میں حضور کا بھانجا ہوں۔

سیف بن ذی یزن:۔ اچھا تم ذرا اور نزدیک آجاؤ۔ پھر عبدالمطلب اور ان کے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوکر کہا مرحبا واہلاً تمہارے لئے سواری اور منزل اور ٹھہرنے کے لئے عمدہ جگہ موجود ہے اور تمہارا بادشاہ بہت دینے والا بڑا سخی ہے۔ ہم نے تمہاری گفتگو بغور سنی اور تمہاری قرابت اور رشتہ داری ہم کو معلوم ہوگئی اور تمہارے وسیلہ کو ہم نے قبول کیا تم لوگ رات دن ہمارے ساتھی ہو تم جب تک یہاں رہو تمہارا خوب اعزاز کیا جائے گا اور جب چلنے لگو گے تو کو بہت کچھ دیا جائے گا پھر ان سب کو دارالضیافت (مہمان خانہ) میں بھیج دیا اور مہمانداری کے سامان جاری کر دیے۔

چنانچہ یہ وفد ایک مہینہ تک دارالضیافت میں رہا اس عرصہ میں نہ تو وہ بادشاہ تک پہنچ سکا اور نہ اس کو واپس چلے جانے کی اجازت دی گئی مہینہ بھر کے بعد سیف بن ذی یزن کو ان لوگوں کا پھر کچھ خیال آیا تو عبدالمطلب کو بلا بھیجا اور ان کو اپنے پاس بٹھلا کر اس طرح گفتگو شروع کی۔

سیف بن ذی یزن:۔ اے عبدالمطلب! میں تم کو اپنے علم کا ایک راز بتلانا چاہتا ہوں بخدا اگر تمہارے سوا کوئی دوسرا ہوتا تو میں ہرگز اس راز کو اُس پر ظاہر نہ کرتا مگر میں تم کو معدن اسرار (رازوں کا خزانہ) سمجھتا ہوں اس لئے اس راز سے تم کو کسی قدر مطلع کر دینا چاہتا ہوں تم کو چاہئے کہ جب تک حق تعالیٰ خود اس کو ظاہر نہ کر دیں تم اس کو چھپائے رکھو۔

اے عبدالمطلب! میں ایک خاص پوشیدہ کتاب میں جس کو ہم نے اپنے لئے مخصوص بنا کر چھپا رکھا ہے ایک بڑی عظیم الشان خبر پاتا ہوں! جس میں حیات اور موت دونوں حالتوں کے لئے شرف اور فضیلت ہے سب لوگوں کے لئے عام طور پر اور تمہارے خاندان اور تمہارے ذاتِ خاص کے لئے مخصوص طور پر۔

عبدالمطلب:۔ جہاں پناہ! خوش کرنا اور احسان کرنا آپ ہی جیسے بادشاہ کا کام ہے آپ پر سب

لوگوں کی جانیں قربان ہو جائیں وہ راز کیا ہے.....؟

سیف بن ذی یزن:۔ جب سرزمین تہامہ میں ایک لڑکا پیدا ہو جس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک نشان ہوگا تو اس کے لئے امامت ہوگی اور اس کی وجہ سے تم لوگوں کو قیامت تک سرداری نصیب ہوگی۔

عبدالمطلب:۔ جہاں پناہ! میں ایک ایسی خیر و برکت لے کر آپ سے رخصت ہو رہا ہوں کہ کوئی وفد ایسی خیر و برکت لے کر واپس نہ ہوا ہوگا اور اگر جہان پناہ کی ہیبت اور عظمت وجلال مانع نہ ہوتا تو میں یہ درخواست کرنے کی ضرور جرأت کرتا کہ اس راز کو کسی قدر زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا جائے تا کہ مجھ کو زیادہ خوشی حاصل ہو۔

سیف بن ذی یزن:۔ عبدالمطلب! اس مبارک مولود کی پیدائش کا وقت یہی ہے یا ممکن ہے کہ وہ پیدا بھی ہو چکا ہو اس کا نام ''محمد'' ہے (صلی اللہ علیہ وسلم سیّدی وروحی) ان کے باپ ماں (بچپن ہی میں) انتقال کر جائیں گے اور ان کے دادا اور چچا ان کو پرورش کریں گے وہ نسلاً بعد نسل ہمارے اندر پیدا ہوتے آرہے ہیں (یعنی ان کا نور ہمارے آباؤ اجداد میں ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتا چلا آرہا ہے) اور اب حق تعالیٰ ان کو کھلم کھلا مبعوث فرمانے والے ہیں اور ہمارے بعض افراد ان کے مددگار ہوں گے جن کی وجہ سے ان کے دوستوں کو عزت اور دشمنوں کو ذلت نصیب ہوگی وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ تمام لوگوں پر غلبہ پائیں گے اور ان کے ہاتھوں قیمتی اور عمدہ زمینیں مفتوح ہوں گی وہ رحمٰن کی عبادت کریں گے اور شیطان کو دور کریں گے اور آتش پرستوں کی آگ بجھا دیں گے اور بتوں کو توڑ ڈالیں گے ان کا قول فیصلہ کن ہوگا اور حکومت عدل وانصاف کے ساتھ ہوگی نیک کاموں کا دوسروں کو بھی حکم کریں گے اور خود بھی بجالائیں گے اور برے کاموں سے لوگوں کو روکیں گے اور معاصی کو مٹائیں گے۔

عبدالمطلب:۔ جہاں پناہ کا بخت نیک اور سلطنت دائم اور درجہ بلند رہے کیا اس سے بھی زیادہ کچھ وضاحت ممکن ہے میں کچھ تو سمجھ گیا ہوں۔

سیف بن ذی یزن:۔ مجھ کو پردوں اور غلافوں والے بیت اللہ کی قسم اور راستہ کے علامات کی قسم اے عبدالمطلب! تم اس مبارک مولود کے دادا ہو۔ اس میں کچھ شک نہیں۔

عبدالمطلب سن کر فوراً سجدے میں گر پڑے۔

سیف بن ذی یزن نے کہا عبدالمطلب سر اُٹھاؤ خدا تمہارا دل ٹھنڈا اور درجہ بلند کرے کیا جو بات میں تم سے کہہ رہا ہوں اس کے کچھ آثار کو تم کو محسوس ہوتے ہیں۔

عبدالمطلب:۔ جہاں پناہ! بے شک میں اس کے آثار دیکھ رہا ہوں کیوں کہ میرے ایک بیٹا تھا جو مجھ کو بہت محبوب تھا میں نے اس کی شادی اپنی قوم کی ایک معزز خاندانی لڑکی سے کر دی تھی جس کا نام آمنہ بنت وہب بن عبدمناف بن زہرہ ہے اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا ہے جس کا نام میں نے ''محمدؐ'' رکھا ہے اس کے باپ ماں مر چکے ہیں(۱) اور میں اور اس کا ایک چچا(۲) ہم دونوں اس کی پرورش کرتے ہیں۔

سیف بن ذی یزن:۔ عبدالمطلب! میں نے جو بات کہی ہے وہ بعینہٖ اسی طرح ہے اب تم اپنے اس بیٹے کی پوری نگرانی رکھیو اور یہود کی طرف سے ہوشیار رہنا کیونکہ وہ اس کے سخت دشمن ہیں مگر حق تعالیٰ ہرگز ان پر کسی کا قابو چلنے نہ دے گا (باقی احتیاطاً ہوشیار رہنا بہتر ہے) اور یہ راز جو میں نے تم سے بیان کیا ہے اپنے ساتھ والوں سے بھی چھپائے رکھنا کیونکہ مجھے ان پر بھی اطمینان نہیں ممکن ہے کہ اس بچہ کی سرداری کا حال معلوم کر کے ان کے دل میں حسد پیدا ہو پھر اس کے لئے تدبیریں اور ہلاک کرنے کے طریقے سوچنے لگیں اور یہ لوگ یا ان کی اولاد ایک وقت ضرور ایسا کریں گے اور اگر اس مولود مسعود کی نبوت ظاہر ہونے سے پہلے موت نے مجھ کو ہلاک نہ کیا تو میں اپنے سوار اور پیادے لے کر ضرور یثرب پہنچ جاؤں گا جو ان کا پایۂ تخت ہوگا۔ کیونکہ میں پہلی کتابوں میں یہی لکھا ہوا پاتا ہوں کہ یثرب نبی آخرالزماں کا پایۂ تخت اور ان کی سلطنت کے استحکام کی جگہ اور نصرت کا موقع ہے اور وہیں ان کی قبر بھی ہوگی۔ اور اگر مجھے اس بچہ پر آفات پہنچنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اس کمسنی کی حالت میں اس کی آئندہ ہونے والی حالت کو ظاہر کر دیتا اور تمام اہل عرب پر اس کا درجہ بلند کر دیتا لیکن اب میں بجائے اس کے تمہارے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہتا ہوں اور تمہارے ساتھیوں کے ساتھ بھی کمی نہ کروں گا۔ پھر سب لوگوں کو بلایا اور ان میں سے ہر شخص کے لئے دس حبشی غلام اور دس حبشی باندیاں اور یمنی لباس کے دو قیمتی جوڑے اور دس رطل سونا اور دس رطل چاندی اور سو اُونٹ اور عنبر سے بھری ہوئی ایک کھال دیے جانے کا حکم دیا اور

عبدالمطلب کے لئے اس کا دس گناہ دینے کا حکم دیا اور ان سے یہ کہا کہ جب یہ سال گزر جائے تو میرے پاس اپنے پوتے کی خبر لے کر آنا اور جو نئی بات ظاہر ہو بتلانا۔

مگر افسوس کہ سیف بن ذی یزن سال پورا ہونے سے پہلے ہی مر گیا اور عبدالمطلب اپنے ساتھیوں سے اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ شاہ یمن کی اس بے شمار عطا کی وجہ سے مجھ پر کوئی رشک نہ کرے بلکہ رشک کے قابل وہ چیز ہے جس کا فخر مجھ کو اور میری اولاد کو ہمیشہ رہے گا۔ اس پر اگر کوئی پوچھتا کہ وہ کیا بات ہے تو اتنا کہہ کر خاموش ہو جاتے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں کسی وقت عنقریب ہی معلوم ہو جائے گا۔ (سیرۃ حلبیہ)

.....حواشی.....

(۱) عبدالمطلب غالباً سیف بن ذی یزن کی تخت نشینی کے وقت فوراً مبارک باد دینے نہیں گئے بلکہ کچھ دیر کر کے پہنچے ہوں گے کیونکہ سیف بن ذی یزن کے تخت نشینی کے وقت حضور ﷺ کی عمر مبارک دو سال تھی اور اس وقت آپ کی والدہ معظّمہ حیات تھیں۔

(۲) غالباً عبدالمطلب کے سامنے بھی ابوطالب حضور ﷺ کی نگرانی وغیرہ کسی قدر کرتے ہوں گے بعد میں تو تنہا ہی ذمہ دار تھے۔

مدیر کے نام

1۔ محمد متین خالد۔لاہور کینٹ

فروری 2013ء کے شمارہ میں آپ کا گراں قدر مضمون بعنوان ''ختم نبوت'' آپ کی علمی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ مضمون نہایت جامع، فصیح اور تحقیقی ہے۔ کارکنانِ ختم نبوت کے لئے یہ مضمون ایک نعمت مترقبہ سے کم نہیں۔ میں اس کی اشاعت پر آپ کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

میری نظر میں بلا مبالغہ آپ ایک شخصیت ہی نہیں بلکہ ایک دانش گاہ ہیں جو اپنے علم و عرفان سے اہل اسلام کو ہمہ وقت مستفید کرتے رہتے ہیں۔ اسلامی بنیادی عقائد کی تعبیر وتشریح اور ترویج واشاعت کے سلسلہ میں آپ کو ایک ملکہ حاصل ہے۔ میں آپ کی تحریریں بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ آپ کی تحریریں نہ صرف سوئے ہوؤں کو بیدار کرتی ہیں بلکہ مسلمانوں کے دلوں میں ایمان کی ایک نئی لہر پیدا کر دیتی ہیں۔

''مکالمہ بین المذاہب'' کے سلسلہ میں آپ کی تجاویز نہایت چشم کشا اور اکتشافاتی ہیں۔ اس تحریر کی روشنی میں مکالمہ بین المذاہب کے ہیضہ میں مبتلا ہمارے دانش وروں اور علماء کو سخت احتیاط کرنی چاہیے۔ میری خواہش ہے کہ آپ اس ''فتنہ'' پر ایک علیحدہ مضمون تحریر کریں، اس سے بہت سے گم کردہ راہ لوگوں کا بھلا ہوگا۔

2۔ امیرالدین احمد کراچی

تعارفِ کتب کی ایک تحریر سے ماہنامہ حکمت بالغہ کے خصوصی شمارے ''یاجوج وماجوج نمبر'' کا غائبانہ تعارف ہوا تو شوق کے ساتھ اسے دیکھنے کا اتفاق ہوا جو واقعی جدید تعلیم یافتہ حضرات میں علومِ قرآنی کے فروغ کا نقیب معلوم ہوتا ہے اور میں بھی حکمت بالغہ پڑھنے والوں میں شامل ہوگیا۔قرآنی چند آیات کے ترجمہ سے شروع ہوکر یہ پرچہ دینی معلومات جب بیان کرنے پر آتا ہے تو علم وآگہی کے موتی بکھیر دیتا ہے معلومات بھی مفصل اور دل پذیر انداز میں بیان ہوتی ہیں۔

اس طرح فروری 2013ء کے شمارہ میں ''ختم نبوت'' کے عنوان پر جو تحریر محترم انجینئر مختار فاروقی نے پیش کی ہے وہ اپنے وقت میں اہم نوعیت کی حامل ہے۔کیونکہ ہمارے کچھ بزعم خود دانشوروں کی دلی خواہش ہے کہ کسی طور پر پاکستان کو اسلامی فلاحی مملکت کی بجائے سیکولر اسٹیٹ بنا کر ہمارے بزرگوں کی سالہا سال کی مساعی پر پانی پھیر کر وہ کچھ سیاسی واقتصادی فائدے اسلام دشمنوں سے حاصل کرلیں۔ فاروقی صاحب موصوف نے اپنے مدلل اور مفصل مضمون میں ''ختم نبوت کے تین اہم پہلو'' پر روشنی ڈالتے ہوئے ''ختم نبوت سے مراد آسمانی ہدایت کی تکمیلی اور اتمامی شان کا ظہور'' کے عنوان سے جو کچھ لکھا ہے وہ ختم نبوت کے مضمون کا لب لباب ہے۔اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔البتہ مضامین کی گہرائی میں جاتے ہوئے زورِ بیان میں اختصار کی ضرورت کا مشورہ ہے کیونکہ کم وقت میں زیادہ معلومات حاصل کرنے کا عام رجحان ہے۔گر قبول افتد زہے عزوشرف۔

3۔ ڈاکٹر محمد ابراہیم۔لاہور

آپ کی طرف سے ماہنامہ حکمت بالغہ باقاعدگی سے موصول ہورہا ہے اس پر آپ کا شکرگزار ہوں۔آپ نے جس طرح انسانیت کے دشمن یہود کو بے نقاب کیا ہے وہ بہت بڑی کاوش ہے۔'یاجوج ماجوج نمبر' میں جدید مغربی تہذیب کا جو پوسٹ مارٹم کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے، یقیناً یہی دجالی تہذیب ہے جس نے دنیا سے اخلاقیات کا جنازہ نکال دیا ہے۔شر کو خیر اور خیر کو شر بنادیا ہے۔یہ دجالی تہذیب اب عالم اسلام پر بڑی شدت کے ساتھ حملہ آور ہورہی ہے تاکہ دنیا میں بچی کھچی اخلاقیات کو بھی ختم کرکے انسان کو مکمل حیوان بنادیں تاکہ ابلیس لعین کا ایجنڈہ پورا ہوجائے۔ ایسے میں حکمت بالغہ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔آمین

تعارف وتبصرہ کتب

1

الدر الفرید فی شرح قواعد التجوید

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حواشی: محمد عبداللہ شارق

قدیمی کتب خانہ، مقابل آرام باغ، کراچی

تبصرہ نگار: حافظ مختار احمد گوندل، سابق ڈپٹی چیف لائبریرین (PU)، لاہور

زیر تبصرہ کتاب دراصل خط ضابطہ جمیل میں ایک مخطوطہ ہے، جو تجوید وقرأت کے موضوع پر مولوی عبدالتواب ملتانی (متوفی 1359ھ) نے 1307ھ میں تحریر کیا۔ یہ نسخہ طائفہ علماء حق کی طبقات القراء کی تحقیقی وتصنیفی خدمات کی ایک اہم مثال ہے۔ جس کی ابتداء برصغیر میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مکہ مکرمہ میں اپنی تصنیف سے کی۔ (اس تصنیف کا ایک ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری اور اسلامیہ کالج لائبریری پشاور میں بھی موجود ہے) محدّث دہلوی ماہِ محرم 958ھ/ 1551ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ بیس سال کی عمر میں علوم متداولہ سے فارغ ہوکر آپ دین کی خدمت میں منہمک ہو گئے۔ آپ 996ھ میں عازم حجاز ہوئے۔ آپ نے علم قرآت وتجوید وہاں کے متعدد جیّد علماء ومشائخ سے حاصل کیا۔ زیر تبصرہ کتاب اس نسخہ کی تدوین ہے جو فاضل مؤلف نے انجام دی ہے۔

فاضل محقق نے مخطوطہ کی تدوین میں ہائر ایجوکیشن کی ہدایات کے مطابق معیاری کام کیا ہے۔ تجوید وقرآت کے طلبا واساتذہ کے لیے یہ ایک نصابی کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔ کیا ہی بہتر اور مفید کام ہوگا کہ اگر محقق اس کا اردو ترجمہ بھی شائع کردیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاضل محقق کو اپنے دین کی مزید خدمت کی توفیق ارزانی فرمائے، آمین۔

کتاب ''قطب الہند شیخ عبدالوہاب جیلانی''
کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

ابوالحسن پیر محمد طاہر حسین الحنفی القادری
قادریہ آرگنائزیشن، آستانہ عالیہ منگانی شریف، تحصیل وضلع جھنگ
تبصرہ نگار: حافظ مختار احمد گوندل
سابق ڈپٹی چیف لائبریرین PU، لاہور

زیرتبصرہ کتاب دراصل ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی بستوی، ڈین فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی کے تحقیقی مقالہ ''قطب الہند سیّدنا عبدالوہاب جیلانی'' جس میں ان کا یہ دعویٰ کہ شیخ عبدالقادر گیلانی (م۔561ھ) کے فرزند ارجمند شیخ عبدالوہاب گیلانی (م۔593ھ) خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے ہمراہ بغداد سے ناگور آگئے تھے اور وہیں مدفون ہوئے (جس پر حکومت ہند ''نوجوان محقق کیریئر ایوارڈ 1993ء'' سے بھی نواز چکی ہے) پر تعقیب ومحاکمہ اور تحقیق وتنقید ہے۔ مؤلف نے یہ ثابت کیا ہے کہ شیخ عبدالوہاب گیلانی کا مدفن حلبہ، بغداد میں ہے، ناگور میں جو حضرات شیخ عبدالوہاب گیلانی کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ درست نہیں ہے۔ متصوّفانہ لٹریچر میں یہ تصنیف اصولِ تحقیق وتنقید میں ایک مثالی حیثیت رکھتی ہے اور گم گشتگان وادیٔ تصوف کے لیے فرحت کا ساماں بھی ہے کہ اب صوفیانہ ادب بھی اندھی تقلید کے بجائے تحقیق کی راہ پر گامزن ہو چکا ہے۔ مغربی فلاسفہ نے باطنی علوم پر بھی تحقیق کے ذریعے PSYCHOTHERAPY اور PSYCHIATRY وغیرہ جیسے نئے DISCIPLINE متعارف کرائے لیکن ہم نے کم کوشی کی بنا پر اپنے اَسلاف کی میراث سے محروم ہو کر نام نہاد مغربی محققین کو ان علوم میں بھی پیش قدمی کا موقع فراہم کر دیا۔ زیرتبصرہ کتاب کے امتیازی اوصاف میں اشاعتی معیار بھی قابل تحسین ہے۔ اُمید ہے کہ فاضل محقق تصوف میں دراندازیوں پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے دیگر غیر اسلامی نظریات کی آمیزش کا بھی پردہ چاک کر کے اسلامی تصوف کے چشمہ صافی سے بنی نوع انسان کو مستفیض کریں گے۔

ترجمۃ القرآن کلاس

علم قرآن مجید اور اور فہم قرآن مجید کے شائقین کے لیے

ہفتہ وار کلاس کا اجراء

22 مارچ 2013ء سے آغاز

جس میں قرآن مجید کا سلسلہ وار درس ہوگا

اور حاضرین کے سوالوں کے جواب بھی دیے جائیں گے

داخلہ بذریعہ رجسٹریشن جاری ہے

مدرّس: **انجینئر مختار فاروقی** (صدر انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ)

مقام: قرآن اکیڈمی جھنگ

دن: جمعہ المبارک وقت: بعد نمازِ عصر تا عشاء شرکت کی دعوت عام ہے

داخلہ کے خواہش مند حضرات رابطہ کریں

رابطہ: قرآن اکیڈمی : 0336-6778561---047-7630861

---

25 روزہ قرآن فہمی کورس

پھر سوئے حرم لے چل

2013ء میں تین کورس

مئی، جون اور جولائی 2013ء

ان شاءاللہ

اپنی فرصت کے مطابق نام رجسٹر کروائیں

سیّدنا حضرت **محمد** ﷺ

پر درود وسلام بھیجنا ایک مسلمان کے لئے سعادت دارین ہے

لیکن

- صلوٰۃ کا مفہوم کیا ہے؟
- سلام بھیجنے سے مراد کیا ہے؟
- صلوٰۃ وسلام بھیجنے کے لئے آپ ﷺ کا بتایا ہوا طریقہ کیا ہے؟
- صلوٰۃ وسلام کس کس موقع پر پڑھنا چاہئے؟
- توہین رسالت کے واقعات کے پس منظر میں صلوٰۃ وسلام کی کیا اہمیت ہے؟

یہ اور دیگر ایسے سوالات کے جوابات کے لئے

ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ ان شاءاللہ

عنقریب ایک خصوصی اشاعت

کا اہتمام کر رہا ہے

جس کا عنوان

الصّلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولِ اللّٰہ

ہوگا۔ اہل علم سے درخواست ہے کہ اس خصوصی اشاعت کے لئے قلمی تعاون فرمائیں نیز موضوع سے متعلق تراشے حوالہ جات اور مضامین ارسال فرمائیں یا مطلع فرمائیں

(ادارہ)